جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ
بفیض روحانی
جانشین مفتی اعظم حضور تاج الشریعہ
حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری
علیہ الرحمۃ والرضوان
زیر سرپرستی
قاضی القضاۃ فی الہند
حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی
محمد عسجد رضا خان
مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان
ماہنامہ
جامعۃ الرضا
بریلی شریف
ترجمانِ فکرِ رضا
منجانب
اساتذۂ کرام
مرکز الدراسات الإسلامية
جامعة الرضا
بريلي شريف يوبي . هند
CIS JAMIATUR RAZA
Markaz Nagar, Mathurapur, C.B. Ganj, Bareilly Sharif (U.P.) 243502

زیر اہتمام

امام احمد رضا ٹرسٹ

۸۲ سوداگران، بریلی شریف، یوپی-243003

ای میل- jamiaturraza@gmail.com

ویب سائٹ- www.cisjamiturraza.ac.in

اس ماہنامہ کو جامعۃ الرضا کے آئی ٹی سیل نے کمپوزنگ اور ڈیزائنگ کر کے شائع کیا

فہرست مشمولات

□□□□

حمد باری تعالیٰ

اللہ اللہ اللہ اللہ

قلب کو اُس کی رویت کی ہے آرزو
جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو
بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہ
عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو
اللہ اللہ اللہ اللہ

عرش و فرش و زمان و جہت اے خدا
جس طرف دیکھتا ہوں ہے جلوہ ترا
ذرے ذرے کی آنکھوں میں تو ہی ضیا
قطرے قطرے کی تو ہی تو ہے آبرو
اللہ اللہ اللہ اللہ

خواب نوری میں آئیں جو نورِ خدا
بقعہ نور ہو اپنا ظلمت کدہ
جگمگا اُٹھے دل چہرہ ہو پُر ضیا
نوریوں کی طرح شغل ہو ذکر ھو
اللہ اللہ اللہ اللہ

(کلام: حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان)

□□□

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دور اے دل رہیں مدینے سے
موت بہتر ہے ایسے جینے سے

ان سے میرا سلام کہہ دینا
جا کے تو اے صبا قرینے سے

ہر گل گلستاں معطر ہے
جانِ گلزار کے پسینے سے

ذکر سرکار کرتے ہیں مومن
کوئی مر جائے جل کے کینے سے

بارگاہِ خدا میں کیا پہنچے
گر گیا جو نبی کے زینے سے

اس تجلی کے سامنے اخترؔ
گل کو آنے لگے پسینے سے

(کلام: حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان)

□□□

منقبت در شان غریب نواز رضی اللہ عنہ

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

مے سر جوش در آغوش ہے شیشہ تیرا
بے خودی چھائے نہ کیوں پی کے پیالہ تیرا

خفتگان شب غفلت کو جگا دیتا ہے
سالہا سال وہ راتوں کا نہ سونا تیرا

محیٔ دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدین ہے
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

(کلام: استاذ زمن علامہ حسنؔ علیہ الرحمۃ والرضوان)

□□□

دعائیہ کلمات

از: حضرت علامہ مفتی محمد بہاء المصطفیٰ قادری مدظلہ العالی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

ہر زبان میں بعض ایسے کلمات اور جملے ہوتے ہیں جن کو دوام مل جاتا ہے اور خاص وعام کی زبان پر جاری وساری ہوکر ہمیشہ کے لئے ضرب المثل بن جاتے ہیں۔ زبان عربی میں بھی بہت سے کلمے اور جملے ہیں جو ضرب المثل ہیں جیسے "کل جدید لذیذ"۔ یہ جملہ اپنی عمومیت کی بنیاد پر ہر مقام اور ہر شے کے لئے مستعمل ہوتا ہے، چاہے وہ ماکولات ہوں یا مشروبات، منظومات ہوں یا منثورات، مکتوبات ہوں یا خطبات، تعلیمات ہوں یا سیاسیات ومعاشیات، گھسے پٹے لطائف ہوں یا واقعات، اگر اس میں جدت ہے تو لذت ضرور پنہاں ہے۔

موجودہ دور میں کورونا وائرس ایک ایسی وبا چلی ہے جس نے اپنی آمد سے بہت سی چیزوں میں جدت پیدا کر دی ہے، چاہے وہ تعلیم و تعلم ہو یا حکومت سازی، تبلیغ واشاعت دین کے بارے میں سوچا بھی نہیں گیا تھا کہ آن لائن یہ سب کام انجام دیئے ہوں گے۔

جب ہر جدت میں لذت کا پنہاں ہونا مسلم ہے تو ہمارے جامعۃ الرضا کے لائق وفائق اساتذہ نے اس جدت و لذت کی طرف توجہ فرمائی کہ تبلیغ دین اور اشاعت تعلیمات رضا کے لئے ایک ماہنامہ رسالہ آن لائن جامعہ سے نکلنا چاہئے، اس سے متعلق فضیلۃ الشیخ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ عسجد رضا زید مجدہ ناظم اعلیٰ جامعۃ الرضا سے رابطہ قائم کیا گیا، سن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور جامعۃ الرضا کے اساتذہ کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ہر طرح کی معاونت کا بار اپنے ذمہ کرم پر لے کر کام شروع کرایا۔ اس کاوش کا ثمرہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

بندہ حقیر دعا گو ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے محبوبین کی محبوبیت کے طفیل جامعۃ الرضا کے مقتدر اساتذہ کرام کی دینی خدمات کو قبول فرمائے اور قائم ودائم اور عروج وترقی عطا فرمائے اور ہر آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بڑی ناشکری ہوگی اگر میں اپنی اور جامعۃ الرضا کے مقتدر ومعزز اساتذہ کی طرف سے اس کریم ابن کریم کا شکر گزار نہ ہوں جن کی نظر کرم سے یہ جدید ولذیذ کام جاری وساری ہوگیا اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا، میری مراد جامعۃ الرضا بریلی شریف کے روح رواں اور سلسلہ رضویہ سے منسلک خدام کے ماوی وملجا فضیلۃ الشیخ قاضی القضاۃ فی الہند شہزادہ تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا عسجد رضا قبلہ قادری رضوی زید مجدہ ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت موصوف کو خدمت دین کے لئے غیبی قوت سے مدد فرمائے اور آباء واجداد کرام کے فیوض وبرکات کی تقسیم کا ذریعہ بنائے اور حوادث زمانہ کی نیرنگیوں سے محفوظ ومامون فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین والنبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

اسیر مفتی اعظم ہند
بہاء المصطفیٰ قادری

دعائیہ کلمات

از: حضرت علامہ مفتی محمد صالح نوری مدظلہ العالی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العٰلمین و الصلاۃ و التسلیم علیٰ حبیبہ

الکریم و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

یہ مبارک رسالہ "ماہنامہ جامعۃ الرضا" جو مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا سے آن لائن گزشتہ ماہ نومبر ۲۰۲۰ء سے نکلنا شروع ہوا ہے، ایک عمدہ، خوش کن، امیدوں بھری، اچھی پیشکش ہے۔ جامعہ کا یہ اقدام لائق ستائش ہے۔ اہتمام و صدارت و نظامت اور تعلیمی عملہ سب کے سب علی قدر مراتب داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ کرے سب کی یہ سعی و کارکردگی مبارک و مشکور ہو۔

مولائے کریم تبارک و تعالیٰ اپنے لطف و فضل سے ان حضرات کے اس سنہرے، نرالے اور سستے اقدام کو خوب بابرکت کرے، شرف قبول سے مشرف فرمائے، جامعہ کی اس کارکردگی سے خدا کرے قوم و ملت کو خوب سے خوب تر مسلسل فائدے پہنچتے رہیں، رسالہ کو پائیداری نصیب ہو، اس کی اچھی سے اچھی آبیاری ہوتی رہے اور ہر شر اور بدنظری سے رسالہ محفوظ رہے۔ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

ناچیز محمد صالح بریلوی نوری غفرلہ

درسِ قرآن نہ گر ہم نے بھلایا ہوتا

از: محمد شکیل بریلوی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب مہذب ہے جس نے بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل دستور حیات عطا فرمایا ہے جس کے اصول وقوانین کسی دنیوی قانون ساز نے نہیں بلکہ خالق کائنات نے اپنے محبوب صاحب لولاک احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں قول و فعل کے ذریعے مرتب کرائے اور جب دستور حیات مکمل ہو گیا تو احکم الحاکمین نے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" (سورہ مائدہ آیت ۳) فرما کر اس کی حقانیت اور قیام قیامت تک کسی طرح کے تغیر وتبدل اور اس کے ماسوا کے عدم احتیاج پر مہر لگا دی اور دنیا والوں کو یہ پیغام دے دیا کہ فلاح دارین کی ضمانت اگر کسی مذہب و دستور میں ہے تو وہ صرف مذہب اسلام اور اس کے دستور میں ہے جس پر استقامت موجب نجات اور انحراف سبب ہلاکت ہے جس کا ذکر اللہ رب العزت نے اپنے فرمان "یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوٰت الشیطٰن انہ لکم عدو مبین فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینٰت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم"۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۸، ۹) (اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر اس کے بعد بھی بچلو کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے)، میں کیا ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جبکہ اسلام دشمن طاقتیں ہر چہار جانب سے اسلام اور مسلمانوں پر یلغار کر رہی ہیں کہیں ناموس رسالت کے حوالے سے مسلمانوں کے جذبات سے کھلواڑ ہو رہا ہے کہیں محبت اہل بیت کا کھوکھلا دعویٰ کر کے صحابہ کرام کی شان میں گستاخیوں کا بازار گرم ہے تو کہیں شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں انسانی حقوق کی پاسداری کی بات کہہ کر ترمیم وتحریف کی بیجا سعی کی جا رہی ہے اور ہر ایک ذی شعور پر یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان تمام فتنوں کا واحد مقصد سادہ لوح مسلمانوں کی ایذا رسانی ہے، اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے اسی ایذا رسانی کے سلسلے کی ہی کڑی حکومتوں کی جانب سے وقتاً فوقتاً تعصب کی عینک لگا کر بنائے جانے والے وہ تمام قوانین ہیں جو جمہوریت کا لباس پہنے ہوئے ہیں مگر ان کا باطن آمرانہ ہے اور کہیں نہ کہیں ان کا واضح اثر صرف ایک خاص طبقے کے لوگوں پر ہی پڑتا ہے ایسے میں ایمان وعقیدے کی حفاظت کے ساتھ تحفظ شریعت اور اپنے وجود کی فکر ہماری ذمہ داری ہے۔

ہر آنے والی مصیبت وبلا کے خاتمے کا واحد حل اس کا سبب دریافت کرنا اور بروقت اس کا تدارک کرنا ہے دیگر مذاہب عالم اور ان کے مذہبی دساتیر انسانی کاوشوں کا ثمرہ ہیں تو ان کے ماننے والوں پر آنے والی مصیبتوں کے تدارک کے لئے اسباب وعلاج کی ذمہ داری بھی انسان کی ہی ہے مگر اللہ رب العزت کا امت مسلمہ پر خاص کرم ہے کہ یہ مذہب و دستور انسانی کاوش نہیں بلکہ عطائے الٰہی ہے اس لئے اس امت پر آنے والی کسی بھی مصیبت کا سبب، علاج اور حل بھی من جانب اللہ ہی ہے اور اس کو اللہ رب العزت نے اپنے کلام مقدس میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے "و

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر " (سورہ شوریٰ آیت ۳۰) کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بھی تکلیفیں پہونچ رہی ہیں وہ ان کی اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اس فرمان باری تعالیٰ سے مشکلات کا سبب اور حل دونوں کا علم ہوتا ہے کہ بد اعمالیاں مصیبت آنے کا سبب ہیں تو اصلاح اعمال ان مصیبتوں کے ٹلنے کا حل بھی ہے اور یہ مشاہدہ بھی ہے کہ جب جب شریعت کے حدود کو تجاوز کیا گیا مصیبتوں نے آلیا اور جب بندوں نے اپنی بداعمالیوں سے توبہ کی تو مصیبت ٹلتی ہوئی بھی نظر آئی، ایسے میں ہم اور آپ ہر ایک کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور اپنے استقامت و انحراف کا جائزہ لیں۔

انسان کو سب سے پہلے اپنے مقصد تخلیق کے بارے میں غور کرنا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد تخلیق جو کہ اللہ رب العزت نے ان کلمات میں بیان فرمایا "**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** " (سورہ ذاریات، آیت ۵۷) میں کس حد تک کامیاب ہیں بعدہ شریعت مطہرہ نے جو ہم سے حقوق اللہ وحقوق العباد متعلق رکھے ان کی ادائیگی میں ہماری پوزیشن کیا ہے اگر مقصد حیات پانے میں کامیاب رہے اور اپنے اوپر عائد جملہ حقوق کی پاسداری کرتے رہے تو فلاح دارین ہمارا مقدر ہے اور اگر ان کی ادائیگی میں تساہلی سے کام لیا تو دارین کا نقصان ہمارا نصیبہ ہے۔

مقصد تخلیق کی فراموشی کا نتیجہ ہے کہ مسجدیں اپنی ویرانی کا رونا رو رہی ہیں بعضے پنج گانہ تو بعضے جمعہ وعیدین پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور دیگر بعضے تو اس سے بھی دور ہیں ماہ رمضان میں ہماری اپنی بستیوں کا حال یہ ہے کہ اس ماہ مقدس کی برکتوں کی علامتیں تلاش کرتے ہوئے آنکھیں تھک جاتی ہیں مگر کامیابی نہیں ملتی اس پر طرہ یہ کہ ماہ مقدس کا روزہ رکھ کر احترام معاذ اللہ صرف غربا و مساکین کا مقدر سمجھا جاتا ہے فریضہ حج کی ادائیگی جو محض رضائے الٰہی کے لئے ہونی چاہئے، مشاہدہ شاہد ہے کہ وہ زیادہ تر ریا اور دکھاوے کے لئے ہو رہی ہے زکوٰۃ جو کہ مال کی طہارت اور حفاظت کی ڈھال ہے اس کو محض تاوان سمجھا جا رہا ہے تعلیمات اسلامی کا حال یہ ہے کہ نئی نسل کلمہ گوئی کے علاوہ اسلامیات سے کوری نظر آتی ہے وہ اسلام جس نے "**المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ**" (صحیح البخاری ص ۶ مجلس برکات) کا درس دیکر اخوت و بھائی چارے کا معاشرہ قائم کرنے کی تعلیم دی اور ہمسائے کی تالیف قلب نیز دل شکنی دور کرنے کے لئے اپنے گھر کی ترکاری تک میں شوربے کا اضافہ کرنے کا درس دیا تا کہ کچھ حصہ اس ترکاری سے اسے بھی مل جائے، آج اسی اسلام کے ماننے والے اخوت و بھائی چارگی سے کوسوں دور نظر آتے ہیں حقوق کی پاسداری کا حال یہ ہے کہ اغیار کے حقوق کی پاسداری تو دور اپنے گھر کے افراد چاہے والدین کے حقوق اولاد کے لئے ہوں یا اولاد پر والدین کے حقوق ہوں زوجین کے ایک دوسرے پر حقوق ہوں یا بھائی بہنوں کے آپسی حقوق ہوں کی پاسداری ہوتی نظر نہیں آتی جو اسلام حقوق والدین کی تعلیم "**فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما**" (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳) کہہ کر دیتا ہے آج اس کے ماننے والے نئی نسل کے نوجوان ان کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اولاد کے حقوق کی بات کی جائے تو تعلیمات اسلامی کے مطابق اولاد کو تربیت دینا والدین کی ذمہ داری ہے مگر اس کی ادائیگی کا حال یہ ہے کہ موٹی موٹی فیس ادا کر کے ان کی دنیوی زندگی تابناک بنانے کی فکر تو ہو رہی ہے جس کی کوئی گارنٹی بھی نہیں ہے مگر اسلامی تربیت دیکر ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنوارنے کی

فکر والدین کو نہیں ہے اولاد کے بالغ ہونے کے بعد سے ہی جس مذہب نے بھائی بہن کے تغافلی اختلاط کو روکنے کی تلقین ان کے بستر الگ کر کے کی آج اسی مذہب کے ماننے والے آزادی نسواں اور حق مساوات کے نام پر فروغ پانے والے مخلوط نظام تعلیم سے پنپنے والی بے حیائی اور اجانب سے اختلاط جیسی بیماریوں سے اپنی اولاد کو محفوظ رکھنے کے بجائے اس کی نذر کرنے کو وقت کی سب سے اہم ضرورت سمجھ رہے ہیں جس کا نتیجہ آج معاشرے میں ان رشتوں کی شکل میں دیکھنے کو مل رہا ہے جن کو غیرت مند معاشرے نے کبھی منظوری نہیں دی ترقی یافتہ دور کا حوالہ دیکر غیر محارم سے ایسے دوستانہ تعلقات جس کی شریعت مطہرہ نے کبھی اجازت نہیں دی قائم ہو رہے ہیں جو کہیں نہ کہیں اسلامی تربیت کے فقدان کا نتیجہ ہیں بے حیائی اور بے پردگی کا عالم یہ ہے کہ پردہ کرنے کو قدامت پسندی اور دقیانوسیت سے تعبیر کیا جا رہا ہے چاہے دوشیزہ ہو یا ضعیفہ پردے کو اپنے لئے عار اور بے پردگی کو اپنا زیور سمجھ رہی ہے اور اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ عزت وآبرو پر حملہ کرنے والے بھیڑئے ہر موڑ پر گھات لگائے بیٹھے ہیں اور آبروریزی کی سنگین واردات کو انجام دے رہے ہیں۔

اس بگڑتے معاشرے میں آگ میں گھی کا کام آج کل موبائل اور سوشل میڈیا کے استعمال نے کیا ہے لڑکا ہو یا لڑکی سن شعوری میں قدم رکھتے ہی ان کی سب سے پہلی ضرورت موبائل بن جاتی ہے اور والدین بھی ان کی اس غیر ضروری ضرورت کو دیگر تمام دنیوی واخروی ضرورتوں سے پہلے سمجھ لیتے ہیں اور اس کی تکمیل کر دیتے ہیں پھر اس کے جو مضر اثرات ظاہر ہوتے ہیں وہ نہایت قابل افسوس ہیں رات کی تنہائیاں اسی سے انجمن میں تبدیل ہوتی ہیں ہماری نسل کے وہی نوجوان جن کو دین وسنت کا مواد پڑھنے کے لئے لمحے بھر کا وقت نہیں موبائل اور سوشل میڈیا پر گھنٹوں وقت برباد کرتے ہیں گھر میں رہنے والے افراد کو سلام کرنے تک کی فرصت نہیں اور سوشل میڈیا پر اجانب کا حلقہ دوستی وسیع کیا جاتا ہے جو حلقہ یاراں آگے چل کر والدین کے لئے خصوصا اور معاشرے کے لئے عموما زہر ہلاہل ثابت ہوتا ہے اور وہی اولاد جس کو والدین نے ہر تکلیف برداشت کر کے تمام دنیوی سکھ پہونچائے اپنے ان مشتعل جزبات کے سامنے عزت وآبرو کی فکر کئے بغیر ان کے ارمانوں کا جنازہ نکال دیتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ آج مسلمانوں میں موجودہ خرابیاں جیسے عبادت الٰہی میں تساہلی، دین پر دنیا کو ترجیح دینا، حقوق اللہ وحقوق العباد کی عدم رعایت، بڑوں کی تعظیم وتوقیر اور چھوٹوں پر شفقت کا فقدان، اولاد کی تربیت میں اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا، ہمایوں کے حقوق کی پامالی، معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے پردگی، والدین اور اولاد کے درمیان غیر شعوری فاصلہ ،کسب معاش میں حلال وحرام کی تمیز نہ کرنا وغیرہ یہ وہ اسباب ہیں جو معاشرے کی خرابی میں محسوس اثر رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے دنیوی واخروی خسارے کے ضامن ہیں اور انہی اسباب کی بنا پر آج بظاہر ہم رحمت الٰہی سے دور مستحق سزا نظر آرہے ہیں، ایسے میں ہمیں چاہئے کہ اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور گناہوں سے توبہ کر کے اسلامی تعلیمات کے مطابق اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوں مقصد حیات ہمیشہ پیش نظر رکھ کر زیادہ سے زیادہ وقت عبادت الٰہی میں خود بھی گزاریں اور اہل خانہ کو بھی راغب کریں، حقوق اللہ وحقوق العباد کی پاسداری کا درس دیں، گھر میں اسلامی ماحول قائم کریں، محسن انسانیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام وبزرگان دین کے حالات زندگی کے نمایاں گوشوں سے اہل خانہ کو آشنا

کریں، اولاد کی تربیت اسلامی اصول پر کریں، گھر میں عورتوں اور بچیوں کو پردے کی تلقین کر کے ان کو پردے کا عادی بنائیں اور بے ضرورت بازاروں اور شاہراہوں میں گھومنے سے باز رکھیں، ہر حال میں انہیں حلال رزق ہی کھلائیں انکے شرعی تقاضوں کو بلا تاخیر پورا کریں غیر شرعی تقاضوں کو ہر گز ہرگز پورا نہ کریں، دنیوی تعلیم بھی ضروری ہے دیں مگر اس سے پہلے ان کو کم از کم بقدر ضرورتِ شدیدہ دینی تعلیم بھی دیں، اس لئے کہ دنیوی تعلیم محض دنیا ہی میں مفید ہے مگر دینی تعلیم دنیا و آخرت دونوں میں مفید ہے۔

مذکورہ اصول پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے معاشرے کی صلاح و فلاح میں کامیاب ہوئے اور بداعمالیوں کو دور کر کے نیک اعمال کی طرف راغب ہوئے تو وہ دن دور نہیں کہ رحمت الٰہی ہمیں اپنی آغوش میں لے اور پھر دنیا میں ہم فرمان الٰہی "ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" (سورہ آل عمران آیت ۱۳۹) کے مطابق عالم میں غالب اور سر بلند ہوں گے اور اس دن ساری اسلام دشمن طاقتیں شوکت اسلامی کے سامنے گھٹنے ٹیکتی نظر آئیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے مولی کریم مسلمانان عالم کو قرآن و سنت کے فرامین پر عمل کرنے اور اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم علیہ و علی آلہ و اصحابہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم۔

□□□

فرمان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ کسی مؤمن پر کسی نیکی میں ظلم نہیں کرتا ہے اس کا عوض دنیا میں دیا جاتا ہے اور اس کے عوض آخرت میں جزا دیا جائے گا۔ رہا کافر تو وہ دنیا میں اپنے اچھے کام کے عوض جو وہ کرتا ہے، کھلا دیا جاتا ہے حتی کہ جب آخرت تک پہنچتا ہے تو اس کے پاس کوئی اچھا کام نہیں ہوتا جس کی جزا اُسے دی جائے۔ (مسلم)

عیش کر لو یہاں منکرو چار دن
مر کے ترسو گے اس زندگی کے لئے

تحفظ ناموس رسالت اور ہماری ذمہ داریاں

از: شاہد رضا علیمی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے جس نے اپنے سب سے آخری نبی کو افضل الخلق، بشیر ونذیر، سراج منیر، رؤف ورحیم اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور نبی کریم ﷺ کی رفعت وعظمت کا اعلان رب ذوالجلال نے خود فرما دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ورفعنا لك ذكرك۔

(ترجمہ): اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔

حضور ﷺ کے رب نے حضور ﷺ کو ہر اعتبار سے محترم ومکرم بنایا، حسب ونسب میں بھی عالی وشریف النسب منتخب کیا، حضور ﷺ فرماتے ہیں: **ان الله اصطفى من ولد ابراهيم اسماعيل واصطفى من ولد اسماعيل بني كنانة واصطفى من بني كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم۔** (جامع الترمذی) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراھیم سے اسماعیل (علیہما السلام) کو منتخب کیا اور اولاد اسماعیل سے بنی کنانہ کو منتخب کیا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو سارے جہان پر فضیلت ورفعت عطا کی، کسی بدبخت نے آپ کی شان اقدس میں گستاخی کی تو اللہ رب العزت نے اس کے رد میں قرآن کریم کی آیات نازل فرما کر اس کی مذمت فرمائی، ولید بن مغیرہ نے آپ کی شان اقدس میں بے ادبی کی اور جھوٹا کلمہ (مجنون) کہا تھا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس کے دس واقعی عیوب ظاہر فرما دیئے۔ رب نے فرمایا:

فلا تطع المكذبين۔ ودوا لو تدهن فيدهنون۔ ولا تطع كل حلاف مهين۔ هماز مشاء بنميم۔ مناع للخير۔ معتد اثيم۔ عتل بعد ذلك زنيم۔ (سورۃ القلم)

(ترجمہ): تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا، وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں، اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل، بہت طعنے دینے والا، بہت اِدھر کی اُدھر لگا تا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، گنہگار، درشت خو، اس پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔

اس کے تحت خزائن العرفان میں ہے: یعنی بد گو ہر تو اس سے افعال خبیثہ کا صدور کیا عجب، مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ محمد (مصطفےٰ ﷺ) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائیں، نو باتوں کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی، اس کا حال مجھے معلوم نہیں، یا تو مجھے سچ سچ بتا دے ورنہ میں تیری گردن ماردوں گا، اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا، تو اُس سے ہے۔

(خزائن العرفان)

یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ ستار العیوب (عیبوں کو چھپانے والا) ہے لیکن جو اُس کے حبیب ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اس کے عیبوں کو رب تبارک وتعالیٰ ظاہر فرما دیتا ہے،

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کا ردّ کرنا، ان کے عیبوں کو ظاہر کرنا سنت الٰہی ہے۔

صحابۂ کرام کے ہاتھوں گستاخ رسول کا انجام:

صحابۂ کرام کی جماعت بہترین جماعت ہے، یہ حضرات آسمان رشد وہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں، اپنے آقا و مولیٰ کی محبت سے سرشار اور جذبۂ عشق رسول سے لبریز تھے، لہٰذا حضور کی ناموس پر حملہ کرنے والوں کو کبھی کسی صورت میں برداشت نہیں کیا اور انہیں اس وقت تک قرار نہیں ملتا جب تک ان گستاخوں کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک و صاف نہیں کر دیتے۔ ذیل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دو ایمان افروز واقعات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن عمیر بن امیة انه کان له اخت وکان اذا خرج الی النبی ﷺ آذته وشتمت النبی ﷺ وکانت مشرکة فاشتمل لها یوما بالسیف، ثم اتاها فوضعه علیها فقتلها فقام بنوها فصاحوا وقالوا: قد علمنا من قتلها، أفتقتل أمنا، وھٰؤلاء قوم لهم آباء وامهات مشرکون، فلما خاف عمیر ان یقتلوا غیر قاتلها ذهب الی النبی ﷺ فاخبره فقال أقتلت أختك قال نعم قال ولم قال لانها کانت تؤذینی فیك فارسل النبی ﷺ الیٰ بنیها فسألهم فسموا غیر قاتلها فأخبرهم بی واهدر دمها۔ (مجمع الزوائد)

یعنی حضرت عمیر بن امیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ایک بہن تھی، جب یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جانے کے لئے نکلتے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے کر انہیں اذیت دی اور وہ مشرکہ تھی، ایک دن عمیر نے اس کے لئے تلوار ساتھ رکھ لی اور اس کے پاس آئے اور اسے قتل کر دیا، اس عورت کے بیٹے کھڑے ہوئے اور چیخنے لگے اور کہنے لگے ہمیں معلوم ہے اسے کس نے قتل کیا، یہ کیسے ہوا کہ ہماری ماں قتل کر دی گئی جبکہ ان لوگوں کے ماں باپ بھی مشرک ہیں، جب عمیر کو خطرہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں اس کے قاتل کی بجائے کسی اور کو نہ قتل کر دیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور سارے معاملے کی خبر دی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ حضرت عمیر نے جواب دیا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا بھلا کہہ کر مجھے تکلیف دیتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کے بیٹوں کی طرف آدمی بھیج کر اُن سے قاتلوں کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کسی اور کا نام لیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں میرے (حضرت عمیر کے) بارے میں بتایا اور اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا۔

(۲) عن ابن عباس ان اعمیٰ کانت له أم ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیه فینهاها فلا تنتهی ویزجرها فلا تنزجر، قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی ﷺ وتشتمه فأخذ المغول (سیف قصیر) فوضعه فی بطنها واتکأ علیها فقتلها فوقع بین رجلیها طفل، فلطخت ما هناك بالدم، فلما أصبح ذکر ذلك لرسول الله ﷺ فجمع الناس فقال: انشد الله رجلا فعل ما فعل لی علیه حق الا قام، فقام الاعمیٰ یتخطی رقاب الناس وهو یتزلزل، حتی قعد بین یدی النبی ﷺ فقال: یارسول الله انا صاحبها کانت تشتمك وتقع فیك فأنهاها فلا تنتهی وأزجرها فلا تنزجر، ولی منها ابنان مثل اللؤلؤتین، وکانت بی رفیقة، فلما کانت البارحة جعلت تشتمك وتقع فیك فأخذت

المغول فوضعته فی بطنها, واتکأت علیها حتی قتلتها, فقال النبی ﷺ: ألا اشهدوا أن دمها هدر۔ (سنن ابی داؤد)

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص تھا اس کی ایک ام ولد (باندی) تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا بھلا کہتی تھی، نابینا اسے منع کرتا اور ڈانٹتا تھا لیکن وہ نہ مانتی، ایک رات وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے لگی تو اس نے خنجر لیا اور اس کے پیٹ میں دھنسا دیا اور اسے قتل کردیا، تو اس کے پیٹ کا بچہ گر گیا اور وہاں کی چیزیں خون سے لت پت ہوگئیں، تو جب صبح ہوئی اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے یہ کام کیا ہے اس پر میرا یہ حق ہے کہ وہ کھڑا ہوجائے، تو نابینا کھڑا ہوا اور لوگوں کے درمیان سے گرتا پڑتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! یہ میرا کام ہے یہ میری لونڈی تھی، لیکن آپ کو بُرا بھلا کہتی تھی، میں اسے منع کرتا اور ڈانٹتا تھا، یہ نہیں مانتی، اس کے بطن سے میرے دو موتی جیسے بچے ہیں، یہ میری رفیقہ تھی، گزشتہ شب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا تو میں نے خنجر اُٹھایا اور اس کے پیٹ پر رکھ کر دھنسا دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سب گواہ ہوجاؤ اس کا خون رائیگاں ہے۔

تحفظ ناموس رسالت کے لئے تدابیر واقدامات:

بلاشبہہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی بدبخت گستاخی کرتا ہے تو ہر مؤمن کا کلیجہ چاک چاک اور دل چھلنی ہوجاتا ہے، اس کا خون کھول اُٹھتا ہے، چین وقرار ختم ہوجاتا ہے۔ کفار ومشرکین مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لئے منظم طریقہ سے ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں، ان کا مقصد مسلمانوں کے دلوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت کو نکالنا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب مسلمانوں کے دلوں سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت نکل جائے تو وہ صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے، حقیقتاً اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا۔ لہٰذا بحیثیت قوم مسلم ہم پر اس کی روک تھام کے لئے حتی المقدور کوشش کرنا لازم ہے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں:

(۱) مسلمانوں کے اثر ورسوخ کے تحت آنے والے تمام اسکولوں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بحیثیت سبجیکٹ داخل کیا جائے۔

(۲) سیرت طیبہ کا درس دینے والے استاذ قابل اور سنی صحیح العقیدہ ہوں۔

(۳) ائمہ مساجد پابندی کے ساتھ ہفتہ میں ایک دن عظمت رسول وحب رسول کے عنوان پر مدلل ومفصل خطاب کریں۔

(۴) ہر گھر میں آڈیولنک کے لئے مائک لگوادیا جائے تاکہ عورتیں وبچے بھی سن سکیں۔

(۵) مختلف زبانوں میں رسائل ولٹریچر اس عنوان پر شائع کیے جائیں۔

(۶) توہین رسالت کے خلاف سخت سے سخت تر قانون سازی کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

(۷) جن مسلم ممالک میں توہین رسالت کے خلاف سخت قانون موجود نہیں ہے وہاں کے علماء حکمرانوں سے قانون بنوائیں۔

(۸) جن ممالک میں قانون موجود ہے مگر اس پر سختی سے عمل نہیں ہوتا، وہاں سختی سے عمل کرایا جائے۔

(۹) تمام مسلم ممالک توہین رسالت کے خلاف قرارداد منظور کرکے اقوام متحدہ میں پیش کریں۔

(۱۰) جب بھی کوئی بدبخت توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو فوراً اس کے خلاف F.I.R. کرا کر سزائے موت کی کارروائی کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مؤمنین کے دلوں میں اپنا خوف، اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پکی محبت عطا فرمائے اور ہمارے ایمان، عقیدہ، جان، مال، اہل وعیال، عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے اور ہم سب کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حُسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واکرم التسلیم۔

□□□

محب الٰہی ومحبوب الٰہی کی علامات:

متقدمین علما میں سے کسی کا قول ہے کہ ”اللہ نے ایک صدیق کی طرف الہام فرمایا کہ میرے بندوں میں سے کچھ بندے ایسے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ میرے مشتاق ہیں، میں ان کا مشتاق ہوں۔ وہ میرا ذکر کرتے ہیں، میں ان کا چرچا کرتا ہوں۔ وہ میری طرف نظر کرتے ہیں، میں ان کی طرف نظر فرماتا ہوں۔ اگر تو ان کے راستے پر چلا تو میں تجھے محبوب بنالوں گا اور اگر ان سے منہ پھیرا تو میں تجھ پر شدید غضب کروں گا۔“ صدیق نے عرض کی: ”اے رب! ان کی علامت کیا ہے؟“ ارشاد فرمایا: ”وہ دن کے وقت سایہ پر اس طرح دھیان دیتے ہیں جس طرح چرواہا بکریوں پر توجہ دیتا ہے اور غروبِ آفتاب کی طرف شوق کے ساتھ اس طرح مائل ہوتے ہیں جیسے اس وقت پرندے اپنے گھونسلے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جب رات انہیں چھپا لیتی ہے، اندھیرا چھا جاتا ہے اور ہر حبیب اپنے حبیب کے ساتھ تنہائی اختیار کرتا ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنے چہروں کو میرے لئے بچھا دیتے اور میرے کلام کے ذریعے مجھ سے مناجات کرتے ہیں۔ میرے انعامات کے سبب میری بارگاہ میں عاجزی وانکساری کرتے ہیں۔ کوئی چیختا ہے تو کوئی روتا ہے۔ کوئی آہیں بھرتا ہے تو کوئی شکایت کرتا ہے۔ وہ میری وجہ سے جو مشقت اٹھاتے ہیں میں اسے دیکھتا ہوں اور میری محبت کی وجہ سے جو شکایت کرتے ہیں اسے سنتا ہوں۔ سب سے پہلی چیز جو میں انہیں عطا کرتا ہوں وہ میرا نور ہے کہ جب وہ ان کے دلوں میں ڈالتا ہوں تو وہ میرے بارے میں بتانے لگتے ہیں جیسے میں ان کے بارے میں خبر دیتا ہوں۔ دوسری چیز جو انہیں عطا کرتا ہوں یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب ان کے میزان میں ہوں تو بھی ان کے حق میں اسے قلیل جانتا ہوں۔ تیسری چیز جو انہیں عطا کرتا ہوں یہ ہے کہ ان کی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہوں اور جس کی طرف میں خصوصی توجہ کرتا ہوں تو کسی کو کیا خبر کہ میں نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے؟“ (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۰۶۷)

سیرت النبی ﷺ اور قانون کی بالا دستی

از: غلام مرتضیٰ قادری رضوی بنارسی، جامعۃ الرضا بریلی شریف

اسلام اللہ رب العزت کا عطا کردہ وہ مذہب مہذب ہے جس کی جملہ تعلیمات واحکامات کی بنیاد قرآن مقدس ہے ۔وہ قرآن جو پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور رسول کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کردار وعمل اور سیرت مقدسہ کے ذریعہ امت مسلمہ کو یہ درس دیا کہ قرآن ہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جس کے قوانین کے سانچے میں خود کو ڈھال کر ہی دنیا وآخرت کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔قرآنی قانون، اسلامی قانون ہے جو کسی انسان کا خود ساختہ نہیں بلکہ خدائے لم یزل کا بنایا ہوا ہے اور اس قانون پر سرور کائنات نے اولاً بنفس نفیس خود عمل کیا اور ثانیاً مذہب اسلام کے ماننے والوں کو عمل کا حکم دیا۔یہی وجہ ہے کہ آقائے کریم پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی شخصیت تمام امت مسلمہ کے لیے نمونۂ عمل ہے۔سیرت مصطفی کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد یہ امر نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ قانون اسلام کسی ایک فرد کے لیے نہیں، کسی ایک قوم کے لیے نہیں، کسی ایک ملک کیلئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لیے ہے اور باضابطہ طور پر رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سیرت مقدسہ سے تمام جہاں کو یہ باور کرایا کہ اسلامی قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے گورے کالے کی تمیز نہیں، رئیس وفقیر میں تفریق نہیں، عربی وعجمی میں امتیاز نہیں بلکہ اسلامی قانون سب کے لیے یکساں ہے اس لیے کہ یہ خدائی قانون ہے۔یہی وجہ ہیکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی میں خود بھی کبھی خدائی قانون سے بالاتر نہیں رہے۔حالانکہ جہاں تک ہمارے ایمان وعقیدے کی بات ہے تو رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول دین کے معاملے میں ہمارے لئے حرف آخر ہے۔باوجود اس کے دین کے معاملے میں، قانون کے معاملے میں اور معاملات کے سلسلے میں خود حضور علیہ السلام کا طرز عمل یہ رہا ہے کہ آپ قانون اور ضابطے کے پابند رہے۔نہ تو خود کو قانون سے مستثنیٰ رکھا (اگرچہ خدائے قدیر وقیوم نے اپنے محبوب کو سارے اختیارات دینی ودنیوی عطا کیے ہیں) اور نہ اپنے اہل خانہ کو، نہ اپنے مخصوص اصحاب واحباب کو اور نہ ہی کسی صاحب ثروت اور اعلیٰ خاندان والوں کو۔جس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

امراء کی مجلس:

ایک مرتبہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند رفقاء کے ساتھ تشریف فرما تھے آپ کی مجلس میں صحابی رسول حضرت عمار ابن یاسر، حضرت بلال، حضرت زید ابن حارثہ، اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بیٹھے ہوئے تھے۔یہ اس وقت کی بات ہے جب مکۃ المکرمہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت پورے شباب پر تھی، اہل مکہ حضور علیہ السلام کی مذمت کرنے اور عوام کو آپ کی ذات سے متنفر کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے ،حضور کے عم مہربان ابوطالب ابھی باحیات تھے۔دریں اثنا جبکہ مذکورہ اصحاب رسول، بارگاہ نبوت سے اکتساب فیض کررہے تھے کہ مکہ کے کچھ سردار مجتمع ہوکر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس آئے ان میں عتبہ اور شیبہ وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔جو اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، کہنے لگے اے محمد ابن عبداللہ ہم آپ کی بات سننا چاہتے ہیں مگر

آپ کی بارگاہ میں یہ جو غریب اور غلام لوگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کی موجودگی میں ہم آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔حضور کے ابتدائی معاشرے کے یہی ضعیف وغریب صحابہ تھے جو ہمہ وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر اپنا سب کچھ فدا کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ سرداران قریش نے کہا کہ جناب! ہم آپ کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے تیار ہیں مگر آپ کے ان ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا ہمارے معاشرتی مقام کے خلاف ہے۔آپ انہیں اپنی مجلس سے اٹھادیں اور ہمارے ساتھ الگ مجلس کریں پھر ہم آپ کی بات سن لیں گے۔حضور علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہم اس بارے میں مشورہ کر کے آپ کو بتائیں گے۔حضور نے اثبات ونفی میں جواب نہیں دیا۔حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے چند اصحاب سے مشورہ بھی کیا حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو یہ مشورہ دیا کہ ہمیں ان کی شرط مان کر ان سے گفتگو کر لینی چاہیے۔ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی سردار مسلمان ہو جائے تو اس سے ہم مسلمانوں کو بڑا عظیم فائدہ پہنچے گا۔ابھی یہ مشاورت ہو ہی رہی تھی کہ جبرئیل امیں بارگاہ رسالت میں پیغام ربانی لیکر حاضر ہوتے ہیں اور قرآن مقدس کی آیت کریمہ ’’ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغدٰوۃ والعشی یریدون وجھہ ما علیک من حسابھم من شیٔ وما من حسابک علیھم من شیٔ فتطردھم فتکون من الظالمین‘‘ [سورہ انعام:۵۲] نازل ہوتی ہے۔ترجمہ: اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح وشام اس کی رضا چاہتے، تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔[کنزالایمان] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اعظم کو مخاطب کر کے فرمارہا ہے کہ اے محبوب! ان کفار قریش کے کہنے پر ایمان والے ان ضعیف وکمزور فقراء کو اپنی مجلس سے علاحدہ کر دینا آپ کے شایان شان نہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کفار مکہ نے حضور کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر آپ ان غریبوں کو اپنی مجلس سے ہٹادیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی خدمت میں حاضر رہیں گے۔تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی اس شرط کو منظور نہ فرمایا اور اپنے طریقہ کار سے دنیا کو یہ درس دیا کہ اسلام میں امیری غریبی کوئی اہمیت نہیں رکھتی اسلامی قانون کا نفاذ سب کے لیے یکساں ہے مفلسوں کو نظر انداز کر کے رئیسوں کو فوقیت دینا عظمت اسلام اور اسوۂ رسول پاک کے منافی ہے۔ادھر آقائے کریم نے غریبوں کی مجلس علاحدہ کرنے سے انکار کیا اُدھر خالق کائنات نے آیت کریمہ نازل فرما کر حضور کے اس فیصلے کی درستگی پر مہر تصدیق ثبت فرمادی اور یہ واشگاف فرمادیا کہ حضور کا فیصلہ خود خدا کا فیصلہ ہے۔

ظاہری بات ہے کہ اللہ رب العزت کے ہر فیصلے میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں کیونکہ وہ حکیم مطلق ہے۔اس فیصلے میں بھی بہت ساری حکمتیں ہونگی ان میں سے ایک حکمت یہ بھی سطح ذہن پر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس وقت اگر رسول پاک چند لمحوں کے لیے بھی مجلس الگ کر لیتے تو قیامت تک کے لیے امیروں کی مجلسیں غریبوں کی مجلس سے علاحدہ ہو جاتیں۔اگرچہ یہ ایک وقتی بات ہوتی لیکن بعد میں آنے والے سرداروں اور امراء کو یہ جواز مل جاتا اور پھر کوئی صاحب ثروت کسی غریب کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیتا۔

حدود شرعی کا نفاذ اور سیرت مصطفیٰ:

حدود کہتے ہیں ان سزاؤں کو جو قرآن کریم نے کسی جرم کے ارتکاب پر متعین فرمادی ہو۔مثلاً چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا

ہے، شادی شدہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، غیر شادی شدہ زانی کی سزا کوڑے مارنا ہے، کسی پر بدکاری کی تہمت لگانے کی سزا حد قذف ہے۔ جو جرائم حدود شرعیہ کے دائرے میں آتے ہیں ان کے متعلق عدالت میں قاضی جرم کے ثابت ہونے یا نہ ہونے پر تو بحث کر سکتا ہے لیکن جب جرم ثابت ہو جائے تو پھر قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ سزا معاف کر دے یا سزا میں کمی بیشی کر دے۔ حد کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ یہ معاملہ طے شدہ ہے جج کے سامنے مقدمہ آئے گا تو جج اس بات کی تفتیش تو کرے گا کہ یہ جرم واقع ہوا ہے یا نہیں لیکن جب جرم ثابت ہو جاتا ہے تو پھر سزا کے دینے میں جج کا کوئی اختیار باقی نہیں رہ جاتا وہ سزا بہر حال وہی دیگا جو قرآن کریم میں متعین کی گئی ہے۔

نسائی شریف کی حدیث میں ہے حضرت صفوان ابن امیہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے چوری کی، ہم نے اسے پکڑ کر پہلے تو خود لعن طعن کی اور پھر جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے چوری کی ہے، اس سے پوچھا گیا تو اس نے اقبال جرم کر لیا۔ رسول پاک نے حکم نافذ فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، جب ہاتھ کٹنے کا وقت آیا تو جس شخص کا مال چوری کیا تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اسے معاف کرتا ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا چور کو میرے پاس لانے سے پہلے معافی ہو سکتی تھی لیکن اب یہ نہیں ہو سکتا۔ حضور کی تعلیم یہی ہے کہ جب کوئی مجرم پکڑا جائے تو قاضی کی عدالت میں پہنچنے سے پہلے معاملہ رفع دفع کر لیا جائے یا صلح و مصالحت کر لی جائے۔ تاکہ اسے اتنی بڑی سزا نہ ملے۔ لیکن اگر مجرم قاضی کی عدالت میں پہنچ جاتا ہے اور اس پر ایسا جرم ثابت ہو جاتا ہے جو "حدود اللہ" سے متعلق ہے تو پھر سزا معاف کرنے یا اس میں کمی زیادتی کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

قانونی بالادستی کا ایک اور نمونہ:

ایک اور مشہور واقعہ جو تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف میں جگمگا رہا ہے بنی مخزوم کی اس خاتون کا ہے جس کا نام فاطمہ تھا اس نے کسی کا زیور چرا لیا تھا، اس کا جرم ثابت ہو گیا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا گیا قبیلۂ بنی مخزوم عرب کے معروف و مشہور اور معزز قبائل میں سے تھا ان کے لیے یہ عزت کا مسئلہ بن گیا کہ ہمارے قبیلے کی عورت کا ہاتھ کٹے گا تو ہماری ناک کٹ جائے گی اور ہم رسوا ہو جائیں گے انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ یہ خاتون سزا سے بچ جائے کسی نے مشورہ دیا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سفارش کی جائے اور سفارش کے لیے حضور علیہ السلام کے کسی قریبی شخص سے بات کی جائے نبی کریم کے اس وقت سب سے چہیتے حضرت اسامہ ابن زید تھے جو زید ابن حارثہ کے بیٹے تھے جنہیں حضور نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اس لحاظ سے حضرت اسامہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پوتے لگتے تھے ان کا لقب ہی حب رسول اللہ تھا یعنی رسول اللہ کے محبوب نوجوان۔ مشورہ یہ طے پایا کہ اسامہ ابن زید کو سفارشی بنا کر دربار رسالت میں بھیجا جائے۔ چنانچہ حضرت اسامہ جو اس وقت ایک نوعمر نوجوان تھے ان سے بات ہوئی تو آپ اس کام کے لیے تیار ہو گئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم محو استراحت تھے۔ حضرت اسامہ نے جب اپنے آنے کا مقصد اس پیکر عدل و انصاف کی بارگاہ میں پیش کیا تو حضور پاک اٹھ کر بیٹھ گئے اور غضب سے حضور کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا ارشاد فرمایا: "یا اسامۃ اتشفع فی حد من حدود اللہ" اے اسامہ کیا تم اللہ کے قانون کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے قبل خدائے قہار نے ان

قوموں کو تباہ و برباد کردیا جن میں سے اگر کوئی شریف زادہ چوری کرتا، تو اس کو معاف کردیا جاتا اور اگر کوئی کمزور اور ضعیف و غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی، اور پھر اس کے بعد شہنشاہ عدل و انصاف، کشور فضل و احسان، تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو تاریخی جملہ ارشاد فرمایا آج بھی وہ ان نام نہاد قاضیوں اور ججوں کے لیے عبرت کا نشان ہے جو مسند قضا پر بیٹھ کر عدل و انصاف کا خون کرتے ہیں اور دنیاوی مال و منال کی طمع میں کمزوروں اور ناداروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں اور امراء و رؤساء کے جرم سے باخبر ہونے کے باوجود انہیں رہائی کا پروانہ دیدیتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا'' خدا کی قسم اگر میری اپنی لخت جگر فاطمہ اس جرم کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا طرز زندگی اور طریقہ کار اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قوانین کے نفاذ میں کسی مخصوص فرد یا مخصوص قوم کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں بھی قانونی بالادستی قائم رہی خواہ وہ صدیق اکبر ہوں یا فاروق اعظم، عثمان غنی ہوں یا حیدر کرار سب کے دور میں عدل و انصاف قائم رہا اور کسی نے بھی قوانین کے نفاذ میں کسی کے لیے بھی خواہ وہ اپنے وقت کا کتنا ہی بڑا سورما یا اہل اقتدار ہو سر مو انحراف نہ کیا۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو خلفائے راشدین کے بعد بھی مسند خلافت پر متمکن ہونے والے سلاطین اسلام جو اپنے قلوب میں ملت بیضاء کا سوز و گداز رکھنے والے تھے، انہوں نے بھی کبھی قوانین کے نفاذ میں کوئی کمی نہیں کی جیسا کہ سلطنت اسلامیہ کی بنا خلافت راشدہ کی روش پر رکھنے والے امیر المؤمنین جناب عمر ابن عبد العزیز کے عہد خلافت کی تاریخ میں ملتا ہے۔

آج بھی اگر رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سیرت، طریقہ کار اور آئین حیات کو اپنا لیا جائے تو میرا یقین ہے کہ پوری دنیا امن و امان کا گہوارا بن جائے۔ اس لیے آج رسول پاک کے نظام رحمت اور قانون زندگی پر عمل کرنے کی بے پناہ ضرورت ہے کیوں کہ ساڑھے چودہ سو سال قبل انفرادی جرم کرنے والے حضور کے آستانے پر آکر، آپ کی عطا کردہ قانون حیات پر عمل کرنے کے بعد دنیا کے بہترین انسان بن گئے تھے۔ آج یہ انفرادی و اجتماعی جرم انجام دینے والے لوگ بھی نظام مصطفی سے آشنا ہونے کے بعد دنیا کے بہترین انسان بن سکتے ہیں۔

□□□

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی میں تین خصائص ہوں گے وہ ایمان کی حلاوت سے مالا مال ہوگا۔

(۱) اس کو اللہ اور اس کا رسول سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔

(۲) وہ جس سے بھی محبت کرے اللہ ہی کے لئے کرے۔

(۳) وہ کفر سے رہائی حاصل کرنے کے بعد اس میں واپس جانے کو اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں کودنے کو برا سمجھتا ہے۔

[مسلم، کتاب الایمان]

روایت "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" کا تحقیقی جائزہ

از: عاشق حسین کشمیری، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

علمائے اسلام کی فضیلت کے سلسلے میں مروی روایتوں میں سے ایک روایت "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" ہے یعنی میری امت کے علماء (حق تبلیغ کی ادائیگی میں) بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ اس روایت کو جلیل القدر ائمہ نے اپنی کتابوں میں ذکر کر کے اس کی تشریح کر کے اس کو مقرر رکھا۔ مگر اس کے باوجود معاصر علما میں سے ایک عالم کا بیان مجھے ایک عزیز نے بذریعہ موبائل فون بھیجا جس میں انہوں نے اس روایت کو موضوع اور جھوٹ حدیث کہتے ہوئے اسے اہل سنت کے متفق علیہ عقیدہ کہ کوئی غیر نبی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا، کے خلاف اور انبیائے کرام کی شان میں بے ادبی اور گستاخی قرار دیا۔

بیان سننے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس روایت کے متعلق مستند علمائے کرام کے اقوال جمع کروں جس سے یہ واضح ہو جائے کہ اس روایت سے عالم صاحب نے جو کچھ سمجھا وہ ہرگز صحیح نہیں۔ پہلے میں حدیث کا متن پھر علمائے کرام کے حوالہ سے اس کی شرح پھر علمائے جرح وتعدیل نے اس کے بارے میں کیا الفاظ کہے، پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلمات طیبات پر اس کا اختتام کروں گا۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

متن حدیث:

علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل

یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

شرح حدیث:

علامہ نظام الدین نیشاپوری آیت کریمہ "ولقد آتینا موسی الکتاب وقفینا من بعدہ بالرسل" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) ہم نے ان کے بعد بہت سارے رسول بھیجے، یوشع، اشموئیل، شمعون، داؤد، سلیمان، شعیا، ارمیا، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ وغیرہم علیہم الصلاۃ والسلام، مروی ہے کہ یہ رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک ایک ہی شریعت (شریعت موسوی) پر گامزن تھے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نئی شریعت لے کر آئے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے اکثر احکام کو منسوخ کیا، ان رسولوں کی بعثت کا مقصد سابقہ شریعت کو نافذ کرنا اور اس کے مٹے ہوئے نشانات کو زندہ کرنا تھا، اسی لئے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ اور "ان اللہ سیبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا" بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص بھیجے گا جو اس کے دین کو تازہ کرے گا۔ (۱/۳۳۰)

علامہ عبد الرؤف مناوی فیض القدیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) یعنی امام شیبانی شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: رسول وہ ہے جو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوا ہو اور نبی عام ہے رسول کو بھی اور اس کو بھی جو سابقہ شریعت کی تقریر وتوضیح کے لئے مبعوث ہوا ہو جیسے بنی اسرائیل کے وہ انبیاء جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان تھے، اسی کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے علماء کو ان سے تشبیہ دی۔ ابن عطاء اللہ فرماتے

ہیں: بعض لوگوں کا یہ گمان ہے کہ نبی وہ ہے جو فی نفسہ نبی ہو اور رسول وہ ہے جو دوسروں کے لئے مبعوث ہوا ہو، لیکن ایسی بات نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ارشاد مبارک "علماء امتی كأنبياء بنی اسرائيل" میں رسولوں کو چھوڑ کر نبیوں کو خاص طور پر ذکر کیوں کیا جاتا؟ اس مذہب کے باطل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے "وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی۔ الآیۃ" یہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ارسال کا حکم ان دونوں کو عام ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ نبی نئی شریعت لے کر نہیں آتا بلکہ سابقہ شریعت کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے، اسی لئے مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علماء امتی كأنبياء بنی اسرائيل" میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، یعنی وہ اسی شریعت کو بیان کرنے، مؤکد کرنے اور اسی کا حکم دینے کے لئے آئیں گے جو شریعت میں لے کر آیا، نہ کہ کسی نئی شریعت کے ساتھ۔ (۱/ ۱۵)

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں: "فانهم كانوا يدعون الى شريعة موسى من غير أن يأتوا بشرع مجدد، و كذا علماء هذه الامة يدعون الى الشريعة المحمدية" یعنی (انبیائے بنی اسرائیل) حضرت موسیٰ کی شریعت کی طرف دعوت دیتے تھے، نئی شریعت پیش نہیں کرتے تھے، اسی طرح اس امت کے علماء شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبها الصلاۃ والسلام) کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (۸/ ۷۴ ۳)

علامہ مرتضیٰ زبیدی اتحاف السادۃ المتقین میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) جان لو کہ یہ امت تمام امتوں میں سب سے زیادہ کامل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علماء کو انبیائے کرام کا نائب بنایا، تاکہ ہدایت کے نشانات مٹ نہ جائیں، جیسے بنی اسرائیل کا حال تھا کہ جب ایک نبی کا وصال ہوتا تو دوسرا نبی آکر اس کی نیابت کرتا، اس طرح انبیائے کرام ان کی رہنمائی فرماتے اور اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ (۱/ ۶۷۲)

تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری اس حدیث شریف سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ سوال: "علماء امتی كأنبياء بنی اسرائيل"، حضرت اس حدیث شریف کی صحت اور اس کی مختصر طور پر شرح ارشاد فرمائیں۔ جزاک اللہ خیرا فی الدین۔ جواب: صحت میں تو کوئی کلام ہی نہیں ہے، یہ حدیث اگر باعتبارِ سند ضعیف بھی ہو تو ضعفِ حدیث لازم نہیں آتا، بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سند ضعیف ہوتی ہے اور معنیٰ حدیث کا ثابت ہوتا ہے۔ حدیث کا معنیٰ الحمد للہ ثابت ہے اور اس کی سند کے متعلق مجھے کوئی کلام اس وقت مستحضر نہیں اور یہ حدیث علماء کے درمیان بے ردوکد بلانکیر تلقی بالقبول کے مرتبہ پر فائز ہے اور تلقی بالقبول یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ حدیث ضعیف کو حسن بلکہ حدیث صحیح کے مرتبہ تک پہنچا دیتی ہے تو حدیث بے شک صحیح ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میری نیابت میں میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں یعنی جس طرح سے بنی اسرائیل کے انبیاء منصب ہدایت پر فائز تھے اور اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی قوم کے لئے وہ مبعوث ہوئے اور ان کے لئے وہ ہادی و رہبر تھے، اب دروازہ نبوت تو بند ہو گیا لیکن منصب ہدایت اور نبی آخر الزماں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت قیامت تک جاری ہے اور رہے گی۔

تو جس طرح وہ نائب تھے ایسے ہی یہ نائب رہیں گے اور یہ بھی منصب ہدایت پر فائز ہوئے اور یہ میری نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں اور میں نے ان کو منصب ہدایت پر فائز کیا ہے، تو میری نیابت میں یہ وہی کام انجام دے رہے ہیں

جو انبیائے کرام نے ہدایت کا انجام دیا۔

(مجلس سوال و جواب،۱۱، مارچ ۲۰۱۲ء، منقول از کلپ)

تخریج حدیث:

علامہ نجم الدین محمد ابن محمد غزی فرماتے ہیں: جن علما نے اس حدیث کے حدیث مرفوع ہونے کا جزم کرتے ہوئے اسے نقل فرمایا ان میں امام فخر الدین رازی، امام موفق الدین ابن قدامہ، امام اسنوی، امام بارزی اور امام یافعی شامل ہیں اور اس حدیث کا معنی اخذ کرنے کی طرف ان علماء نے اشارہ فرمایا: امام تفتازانی، امام فتح الدین شہید، امام ابوبکر موصلی اور امام سیوطی خصائص میں، اور اس حدیث کے شواہد بھی ہیں جن کو میں نے کتاب حسن التنبہ لما ورد فی التشبہ میں ذکر کیا۔ انتھی۔

("اتقان ما یحسن من الاخبار الدائرۃ علی الالسن"، رقم الحدیث ۱۱۲۲)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اس کو المستند المعتمد میں نسیم الریاض کے حوالے سے ایک واقعہ کے ضمن میں ذکر کیا اور مقرر رکھا، چنانچہ المستند میں ہے:

امام عارف باللہ سیدنا ابوالحسن شاذلی پیر طریقت شاذلیہ سے منقول ہے اللہ ان پر اور ان کے طفیل ہمارے اوپر رحمت فرمائے کہ انہوں نے فرمایا: میں مسجد اقصیٰ حرم کے بیچوں بیچ لیٹا ہوا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فوج در فوج بہت سی مخلوق داخل ہوئی میں نے کہا کہ یہ کیسی جماعت ہے؟ لوگوں نے کہا: انبیاء و رسل صلوات اللہ علیہم کی جماعت ہے، یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حضرت حسین حلاج کی شفاعت کے لئے ایک بے ادبی کی وجہ سے جو اُن سے واقع ہوئی تھی، حاضر ہوئے ہیں، اب میں نے تخت کی طرف دیکھا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تنہا تشریف رکھتے ہیں اور تمام انبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں جیسے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ اور نوح علیہم الصلوٰۃ والسلام، اب میں کھڑے ہو کر اُن کی طرف دیکھتا تھا اور اُن کا کلام سنتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر عرض کی: آپ نے فرمایا کہ "**علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل**" تو مجھے ان عالموں میں سے کسی ایک کو دکھایئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے علماء میں سے یہ ہیں اور امام غزالی کی طرف اشارہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ایک سوال کیا تو اس سوال کے غزالی نے دس جواب دیے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر یوں معترض ہوئے کہ سوال جواب کے مطابق ہونا چاہئے تھا اور سوال تو ایک ہے اور جواب دس، اب غزالی نے ان سے عرض کی آپ سے سوال ہوا تھا، اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا جواب یہی تھا کہ یہ میری لاٹھی ہے، پھر آپ نے اس کی بہت سی صفتیں گنائیں۔ شاذلی قدس سرہ نے فرمایا تو اس دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت شان اور تخت پر حضور کے تنہا تشریف رکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا حالانکہ باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زمین پر تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پیر سے ٹھوکر ماری جس سے میں گھبرا گیا تو میں جاگا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کا نگہبان مسجد اقصیٰ کی قندیلوں کو جلا رہا ہے تو اس نے کہا تم تعجب نہ کرو اس لئے کہ سب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیے گئے۔ شاذلی کہتے ہیں اب میں بے ہوش ہو کر گر پڑا پھر جب نماز قائم ہوئی مجھے ہوش آیا، اور میں نے اس نگہبان کو طلب کیا، اللہ ان پر رحم کرے تو آج تک میں نے ان کو نہ پایا۔

(المستند المعتمد مترجم، ص ۳۲۱، ۳۲۲)

حدیث پر ائمہ محدثین کا کلام:

امام عبد الرحمن سخاوی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ہمارے شیخ (علامہ ابن حجر عسقلانی) اور ان سے پہلے دمیری اور زرکشی نے فرمایا: اس کی کوئی اصل نہیں، بعض نے اتنا اور کہا کہ: کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔

یہی امام عبدالرحمن سخاوی الاجوبۃ المرضیۃ میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) مجھ سے حدیث "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" کے بارے میں سوال ہوا تو میں نے جواب دیا کہ بدرالدین زرکشی نے فرمایا: اس کی اصل معلوم نہیں، اسی طرح کمال الدین دمیری نے شرح منہاج کے خطبہ میں فرمایا: اس کا مخرج وماخذ معلوم نہیں اور نہ یہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے اور میں نے اپنے شیخ عسقلانی رحمہ اللہ کے بعض فتاویٰ میں اس کی صراحت دیکھی۔ واللہ الموفق۔ (ص ۲۴۸، رقم الحدیث ۶۰)

علامہ شہاب الدین رملی کے فتاوی میں ہے: (ترجمہ) ان سے پوچھا گیا کہ کیا سرکار کا یہ فرمان "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" ثابت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مذکورہ الفاظ مشہور ہیں لیکن ان کا مخرج معلوم نہیں، نہ یہ کسی معتبر کتاب میں موجود، لیکن اس کا معنی اصحاب سنن وغیرھم کی حدیث "العلماء ورثۃ الأنبیاء" سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ (۶/ ۱۸۴)

علامہ عبدالرؤف مناوی فیض القدیر میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) حافظ عراقی سے لوگوں میں مشہور حدیث "علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل" کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ کوئی سند ان الفاظ کے ساتھ۔ (۴/ ۳۸۴)

ائمہ محدثین کے کلام پر کلام:

علمائے کرام نے اس حدیث پر جو جرحیں کیں، ان میں سے ایک جرح یہ ہے کہ یہ حدیث کی موجودہ کتب میں سے کسی کتاب میں نہیں ملتی، اس پر عرض ہے کہ اتنی بات سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا کیوں کہ ائمہ محدثین نے اپنی کتب میں ساری احادیث کا احاطہ نہیں فرمایا۔

دوسری جرح "لا اصل لہ" ہے یعنی اس کی کوئی اصل نہیں، اس سے بھی اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی کوئی سند نہیں، اس کا کوئی متابع نہیں۔ چنانچہ معجم علوم الحدیث النبوی میں ہے:

"لا اصل لہ" یرادبہ امران:

(الف) انہ لیس لہ اسناد: قالہ ابن تیمیۃ کما نقلہ عنہ السیوطی فی التدریب۔ وھذا ما یقصدہ اصحاب الکتب المؤلّفۃ فی الاحادیث المشتھرۃ والموضوعۃ، مثل: المقاصد الحسنۃ و کشف الخفاء تنزیہ الشریعۃ والفوائد المجموعۃ ونحوھا۔ فاذا قالوا فی حدیث مّا: انہ لا اصل لہ، اولیس لہ اصل فمرادھم انہ لیس لہ اسناد۔

(ب) انہ لیس لہ متابع: وھذا المعنی ھو الاکثر استعمالا، وھذا ما یقصدہ العقیلی وابن عدی فی کتابیھما، وکذلك کل من ذکر ھذا الاصطلاح فی کتاب یروی فیہ باسنادہ الی النبی ﷺ کابن حبان والحاکم والبیھقی"۔

یعنی "لا اصل لہ" سے دو امر مراد لیے جاتے ہیں: اول یہ کہ اس کی کوئی سند نہیں۔ یہ ابن تیمیہ نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے تدریب الراوی میں نقل فرمایا، یہی ان کتابوں کے مصنفین کا مقصود ہوتا ہے جو کتابیں احادیث مشہورہ اور موضوعہ کے بارے میں تصنیف کی گئیں جیسے مقاصد حسنہ، کشف الخفا، تنزیہ الشریعہ، فوائد مجموعہ اور ان جیسی دیگر کتابیں۔ تو جب یہ علماء کسی حدیث کے بارے میں "انہ لا اصل لہ" یا "لیس لہ اصل" کہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں۔

ثانی یہ کہ اس حدیث کا کوئی متابع نہیں، اور یہی معنی زیادہ استعمال کیا جاتا ہے اور اسی معنی کا عقیلی اور ابن عدی اپنی اپنی

کتابوں میں قصد کرتے ہیں اور اسی طرح ان سب علماء کی جنہوں نے یہ اصطلاح اپنی ان کتابوں میں ذکر کی، جن میں وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام تک اپنی سند کے ساتھ احادیث روایت کرتے ہیں، جیسے ابن حبان، حاکم اور بیہقی۔

ایسی ہی روایت پر جس کی سند نہیں ملتی، کلام کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنی کتاب مستطاب "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" میں فرماتے ہیں:

افادہ بست وہفتم: (بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے)

اقول: (بھلا یاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود) علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلا سند مذکور ہونا سند کافی سمجھتے ہیں، اگرچہ طبقہ رابعہ وغیرہا کسی طبقہ حدیث میں اس کا نام نشان نہ ہون، حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضور والا کو ندا کرکے "بأبی انت وأمی یارسول اللہ" میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ کہہ کر حضور کے فضائل جلیلہ و شمائل جمیلہ عرض کرنا، یہ حدیث امام ابو محمد عبد اللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علما سے تھے، ۴۹۶ھ میں انتقال کیا، اپنی کتاب "اقتباس الانوار والتماس الازھار" اور ابو عبد اللہ محمد بن الحاج عبدری مکی مالکی نے کہ آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے، ۷۳۷ھ میں وصال ہوا، اپنی کتاب "مدخل" میں ذکر کی، دونوں نے محض بلا سند، ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتہ نہ پایا، کتب حدیث میں اصلاً نشان نہ ملا، مگر از آنجا کہ مقام مقام فضائل تھا اسی قدر کو کافی سمجھا۔ (۵/ ۵۵۶، ۵۵۵)

ان نادانوں کند حواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقۂ رابعہ میں ہونا درکنار، اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی انہیں اس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا، بلکہ اس سے استناد فرمایا، علامہ ابو العباس قصار نے اسے شرح قصیدہ بردہ شریف میں ذکر کیا، اور انہیں رشاطی کا حوالہ دیا، پھر امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں بصیغہ جزم ذکر کی، اس شرح قصار و مدخل کی سند دی، اسی مواہب شریف ونسیم الریاض علامہ شہاب خفاجی مصری و مدارج النبوۃ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی وغیرہا میں علمائے کرام نے اس حدیث کو زیر بیان آیۂ کریمہ "لا أقسم بھٰذا البلد وأنت حل بھٰذا البلد" جس میں رب العزت جل وعلا نے شہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم یاد فرمائی ہے محل استناد میں ذکر کیا کہ قرآن عظیم نے حضور پُرنور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانِ پاک کی بھی قسم کھائی کہ "لعمرك انھم لفی سکرتھم یعمھون" (تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور حضور کے شہر مکہ معظّمہ کی بھی قسم کھائی کہ "لا اقسم بھٰذا البلد"، مگر اس قسم میں اس قسم سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے جس طرح امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ عرض کرتے ہیں: میرے ماں باپ حضور پر قربان، یارسول اللہ، اللہ عزوجل کے نزدیک حضور کا مرتبہ اس حد کو پہنچا ہے کہ حضور کے خاکِ پا کی قسم یاد فرمائی "لا أقسم بھٰذا البلد" (الی ان قال) حدیث فاروقی "بأبی انت وأمی یارسول اللہ" کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا، اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے "مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفا"، پھر ان کے حوالہ سے علامہ خفاجی "نسیم الریاض" میں ارشاد کیا: "لم اجدہ فی شیء من کتب الاثر، لکن صاحب

"اقتباس الانوار" وابن الحاج فی "مدخلہ" ذکراہ فی ضمن حدیث طویل، وکفی بذلك سندًا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام"

یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اس کو ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ یہ احکام سے متعلق نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ۵/ ۵۶۱)

مذکورہ بالاکلمات علما سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس حدیث میں نبی پر غیر نبی کی برتری یا نبی کے ساتھ برابری کا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا، نہ اس میں نبی کی گستاخی کا کوئی پہلو موجود ہے اور ایسے جلیل القدر علما یہاں تک کہ جنہوں نے اس کے بارے میں جرح کے کلمات بھی نقل کیے، ان کا بھی اس حدیث کو ذکر کرنا اس کے موضوع نہ ہونے کے لئے سندِ کافی ہے۔

□□□

عشا کے وضو سے فجر ادا کرنے والے:

حضرت سیدنا امام ابو طالب محمد بن علی مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: چالیس تابعین سے تواتر و شہرت کے طور پر منقول ہے کہ وہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے چالیس سال تک اس کی پابندی کی۔ ان میں سے چند یہ ہیں: (۱) حضرت سیدنا سعید بن مسیب مدنی۔ (۲) حضرت سیدنا صفوان بن سلیمان مدنی۔ (۳) حضرت سیدنا فضیل بن عیاض مکی۔ (۴) حضرت سیدنا وُہَیب بن وَرْد مکی۔ (۵) حضرت سیدنا طاؤس بن کیسان یمنی۔ (۶) حضرت سیدنا وہب بن منبہ یمنی۔ (۷) حضرت سیدنا ابو یزید ربیع بن خُثَیم کوفی۔ (۸) حضرت سیدنا ابو عبد اللہ حَکَم بن عُتَیبہ کوفی۔ (۹) حضرت سیدنا ابو سلیمان احمد بن عبد الرحمن دارانی شامی۔ (۱۰) حضرت سیدنا ابو الحسن علی بن بکّار شامی۔ (۱۱) حضرت سیدنا ابو عبد اللہ خواص عبادی۔ (۱۲) حضرت سیدنا ابو عاصم عبادی۔ (۱۳) حضرت سیدنا ابو محمد حبیب بن محمد عجمی فارسی۔ (۱۴) حضرت سیدنا ابو جابر سلمانی فارسی۔ (۱۵) حضرت سیدنا ابو یحییٰ مالک بن دینار بصری۔ (۱۶) حضرت سیدنا ابو المعتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری۔ (۱۷) حضرت سیدنا یزید بن ابان رقاشی بصری۔ (۱۸) حضرت سیدنا حبیب بن ابو ثابت بصری۔ (۱۹)......حضرت سیدنا یحییٰ بن مَسلَمہ بکّاء بصری اور (۲۰)......حضرت سیدنا ابو عثمان کَہمَس بن مِنْہال بصری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم۔ مؤخر الذکر شخصیت کے بارے میں منقول ہے کہ مہینے میں 90 قرآن پاک ختم فرماتے، دوران تلاوت اگر کسی آیت کو سمجھ نہ پاتے تو دوبارہ پڑھتے۔ اہلِ مدینہ میں سے حضرت سیدنا ابو حازم سلمہ بن دینار اور حضرت سیدنا محمد بن منکدر علیہما الرحمہ بھی انہیں میں سے ہیں۔ یہ ایسی جماعت ہے جس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (احیاء العلوم، ج ۱ ص ۱۰۷)

روشن خیالی کی آڑ میں بڑھتا فکری ارتداد | (دوسری قسط)

از: افضل مرکزی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

جہالت کی تاریکی:

تاریکیٔ جہالت نے پوری دنیا سمیت اہل عرب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا ان کی اخلاقی حالت نا قابل بیان تھی، نفس پرستی کا عالم یہ تھا کہ بعض عربی قبیلوں نے لوٹ مار، چوری، قتل اور غارت گری جیسے کاموں کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ ان دنوں عرب میں کوئی مرکزی حکومت تھی نہیں لہٰذا ہر قبیلے نے اپنا الگ الگ سردار منتخب کر رکھا تھا، قبیلوں پر فخر کرنا اس حد تک عام تھا کہ قبرستانوں میں جا کر اپنے قبیلے والوں کی قبریں شمار کرتے اور ان کی تعداد کو فخریہ انداز میں بیان کرتے، قبیلوں کی بڑائی کرتے کرتے جنگیں چھڑ جاتیں اور جنگوں کی طوالت کا تو کہنا ہی کیا، روایتوں میں ملتا ہے کہ چالیس چالیس سال تک جنگیں جاری رہتیں۔

اپنی زباندانی پر اتنا ناز تھا کہ عرب کے سوا ہر ایک کو گونگا جانتے تھے۔ بے راہ روی ایسی تھی کہ جو اُن کے دل میں آتا، بس کر ڈالتے۔ رسومات و مروجات بھی عجیب تھے۔ جب حج کا وقت آتا تو اس موقع سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ حج کو آتے لیکن قریش کے سوا ہر قبیلے کے مرد و عورت کعبہ کا طواف برہنہ حالت میں کرتے۔ فحاشی اور بے حیائی عام ہو چکی تھی۔ کھانے اور پینے تک میں اچھے بُرے کی تمیز نہیں رہ گئی تھی، حلال حرام کا تو کوئی تصور ہی نہ تھا، سود کا رواج ہر سو عام تھا۔ غرضیکہ آدابِ معاشرت کالعدم اور تہذیب و تمدن کلی طور پر مسخ ہو چکے تھے۔

ظلم و جبر کی تاریکی:

جہاں جہالت نے اپنے اندھیرے پھیلا رکھے ہوں وہاں ظلم و جبر کا عام ہو جانا ظاہر سی بات ہے۔ پوری دنیا ظلم و ستم کا منظر پیش کر رہی تھی، غریبوں پر ظلم و زیادتی کرنا، انہیں ستانا اور یتیموں کا مال کھانا عام تھا۔ عورتوں اور بچوں کو گروی رکھنے سے کوئی گریز نہ تھا۔ اس وقت عام طور پر کیے جانے والے ظلموں میں ذات اور جنس کی بنا پر کی جانے والی زیادتی بھی تھی جس نے پورے عالم کے ساتھ ساتھ عرب کو بھی اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ ذاتی تعصب ایسا تھا کہ ہر قبیلے والا دوسرے قبیلے والوں کو خود سے نیچا اور کمتر سمجھتا تھا اور جنسی تعصب پر تو ایک الگ باب قائم کیا جا سکتا ہے۔

عورتوں کو سامانِ تسکینِ شہوت کے سوا اور کچھ بھی نہ سمجھا جاتا، ان کے عریاں رقص کی محفلیں منعقد ہوا کرتیں، لاتعداد بیویاں رکھنا عام تھا لیکن یہ تو پھر بھی ایک بات ہے، بغیر شادی کے ان کو اپنے قبضے میں رکھتے، ان سے اپنی خواہشیں پوری کرتے تھے، بلکہ دل بھر جانے کے بعد انہیں فروخت بھی کر ڈالتے۔ زنا اس قدر عام تھا کہ اسے مجلسوں میں فخریہ انداز میں بیان کرتے اور اس پر داد چاہتے۔ مرتے وقت یہ فخر سے بتا جاتے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس کے پیٹ میں پلنے والا بچہ میرا ہے، اس کی پرورش میرے خاندانی طریقے پر کی جائے۔

محرم/غیر محرم کا لحاظ کتنا تھا اس کا اندازہ اسی سے لگائیں کہ والد کے فوت ہو جانے پر دیگر چیزوں کے ساتھ ماں پر بھی بیٹے کی ملکیت ہو جاتی اب بیٹا یا تو اپنی ماں سے خود شادی کر لیتا تھا یا کسی اور سے فروخت کر کے مال حاصل کر لیتا۔

جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اسے انتہائی منحوس سمجھتے اور ایک سال کی عدت گزارنے پر مجبور کرتے تھے، اور اس عدت کے درمیان اسے نہانے یا ہاتھ منہ دھونے کے لئے

پانی تک سے محروم رکھا جاتا یہاں تک کہ پہننے کے لئے لباس بھی نہیں دیا جاتا، بس ایک گندے لباس میں ملبوس کر کے اسے ایک کوٹھری میں بند کر دیا جاتا جہاں وہ خوشبو وغیرہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تھی اور اس طرح اس کو اس کے بیوہ ہونے کی سزا دی جاتی۔ حدیثوں میں بھی اس بات کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، دَخَلَتْ حِفْشًا، وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ، حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ، فَتَفْتَضُّ بِهِ، فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعَرَةً فَتَرْمِي، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ. سُئِلَ مَالِكٌ: مَا تَفْتَضُّ بِهِ؟ قَالَ: تَمْسَحُ بِهِ جِلْدَهَا.

(صحیح البخاری، حدیث نمبر: 5337)

اتنے پر ہی بس نہ کرتے، بلکہ جب وہ بیوہ عورت اپنی عدت پوری کر لیتی تو اسے چوپائے پر سوار کر کے پورے علاقے میں گھمایا جاتا اور اس دوران اس پر مینگنی پھینکتے جس سے دوسرے لوگوں کو سمجھ میں آتا کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کی عدت پوری کی ہے۔ وہ مطلقاً عورتوں کے وجود کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے۔ شاید یہی وجہ رہی ہوگی کہ وہ لوگ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ جوان ہو کر کسی سے منسوب نہ ہوں۔

دوسرا باب

اسلام کی آمد کے بعد کے مناظر

ہر رات کے بعد صبح کی روشنی کا ظاہر ہونا نظامِ کائنات ہے اور یہ نظام جس رب کا بنایا ہوا ہے اسی نے ان تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے نور کو بشکل بشر اس دنیا میں بھیجا۔ بلا شبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے برکات بے شمار ہیں جو سیرت کی کتابوں میں جا بجا درج ہیں، یہاں پر اعلان نبوت کے بعد کے حالات کو ذکر کرنا مقصود ہے۔

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی برکتوں سے ہی بہت سی مثبت تبدیلیاں ظہور پذیر ہونے لگی تھیں لیکن 610ء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت فرمانے کے بعد مذہبِ اسلام عالمِ انسانیت سے روبرو ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد پچھلی ساری شریعتیں منسوخ ہو گئیں اور اب شریعت محمدیہ کی اتباع تمام انسانیت کے لئے لازم کر دی گئی اور اللہ کے فرمان (إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ) نے اس کی تائید و توثیق فرمائی۔ پیغمبر اسلام نے سب سے پہلے توحید کی تجدید فرمائی، کیونکہ شرک ہی وہ گناہ ہے جس کی کوئی معافی نہیں اور بہت سی بُرائیاں صرف بت پرستی کی نحوستوں کا نتیجہ تھیں، لہٰذا ترکِ شرک سب سے ضروری تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(سورۂ بقرہ: 21)

(ترجمہ): اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ یہ امید کرتے ہوئے (عبادت کرو) کہ تمہیں پرہیزگاری مل جائے۔

(کنز الایمان)

مذکورہ بالا آیت میں "يَا أَيُّهَا النَّاسُ" کے ذریعے تمام انسانوں سے خطاب کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ انسانی

شرافت کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ انسان تقویٰ حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ بنے۔

اور فرماتا ہے:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ-قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ-سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

(سورۂ یونس:18)

(ترجمہ): اور (یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں کوئی نقصان دے سکے اور نہ نفع دے سکے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) اللہ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں۔ تم فرماؤ: کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں۔ وہ ان کے شرک سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ (کنزالایمان)

یہاں سے مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان فرق بیان کر دیا گیا کہ مسلمان انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و صالحین علیہم الرحمہ کو اپنا شفیع مانتے ہیں لیکن انہیں عبادت کے لائق نہیں سمجھتے اور پھر یہ کہ اللہ نے ان کو شفاعت کا اختیار بھی دیا ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور مشرکین نے ایک تو شرک کیا اور دوسرا نا اہلوں کی شفاعت کا عقیدہ رکھا۔

اسلام نے ہی غریبوں اور یتیموں کے حقوق کی پاسداری فرمائی، عورتوں کو اُن کا صحیح مقام عطا کیا، چوری، غارت گری، ظلم، فحاشی، بے حیائی، زنا، وغیرہ تمام غلط کاموں سے روکا۔ چنانچہ رب نے فرمایا:

وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ (سورۂ آل عمران:103)

(ترجمہ): اور تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ (کنزالایمان)

اس مذہب مہذب کی روشن تعلیمات نے تاریکیوں کو دور کیا اور ہر چہار جانب کو اپنی روشنی سے منور کر دیا، بُرائیوں کو مٹایا اور اچھائیوں کا درس دیا، ظلم و جبر کو ختم کر کے معاشرے میں امن وسکون قائم کیا، خزاں کے شکار معاشرے کو نئی شادابی عطا کی۔

اپنے نسب اور قبیلوں پر فخر کرنے والوں کو یہ خوبصورت پیغام دیا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا-اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ- (سورۂ حجرات:13)

(ترجمہ): اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تا کہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ (کنزالایمان)

کھانے پینے میں بھی حلال اور حرام کی تمیز کا حکم دیا، چنانچہ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا۔ (سورۂ بقرہ:168)

(ترجمہ): اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ۔ (کنزالایمان)

یتیموں کے حقوق بیان فرمائے اور ان پر شفقت کرنے کا حکم دیا، فرمایا:

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى-قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ-وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ-

(سورۂ بقرہ:220)

(ترجمہ): اور تم سے یتیموں کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ: ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر ان کے ساتھ اپنا خرچہ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ (کنزالایمان)

زنا کے لئے سخت قوانین دیے، چنانچہ قرآن میں آیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً-وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ (سورۂ بنی اسرائیل:32)

(ترجمہ): اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ (کنزالایمان)

شادی کے لئے تعداد بیان فرمائی، ساتھ ہی محرم اور غیر محرم کا تصور دیا، چنانچہ فرمان رب العالمین ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ-فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ (سورۂ نساء:3)

(ترجمہ): تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے تو صرف ایک (سے نکاح کرو) یا لونڈیوں (پر اکتفاء کرو) جن کے تم مالک ہو۔

(کنزالایمان)

اور فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ-فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ-وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ-وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ- (سورۂ نساء:23)

(ترجمہ): تم پر حرام کردی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ (کے رشتے) سے تمہاری بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں (جو اُن بیویوں سے ہوں) جن سے تم ہم بستری کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان (بیویوں) سے ہم بستری نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو اکٹھا کرنا (حرام ہے۔) البتہ جو پہلے گزر گیا۔ (کنزالایمان)

اور بھی دیگر حقوق بیان فرمائے۔ جنگ میں عورتوں، بوڑھوں، بچّوں، یہاں تک کہ جانوروں کو قتل کرنے، درخت اور فصلوں کو خراب کرنے سے منع فرمایا نیز بوڑھوں، بچّوں، اور عورتوں کے تحفّظ کی خاطر رات کے وقت حملہ کرنے سے منع کیا، یتیموں کے سَروں پر دستِ شفقت پھیرنے کی ترغیب دلائی، عورتوں پر کیے جانے والے ظلموں سے ان کی حفاظت فرما کر انہیں عزّت بخشی اور مُعاشرے میں خاص مقام عطا فرمایا۔ اس کے قوانین صرف اس کے ماننے والوں کے حق میں نہیں بلکہ غیر مسلموں کے بھی جان، مال، عزّت اور جملہ حقوق کے تحفظ کی مثال کہیں نہیں ملتی۔

تیسرا باب

قبل اور بعد کے حالات کا موازنہ

مقالہ بغور پڑھنے والوں کو پہلا اور دوسرا باب پڑھ کر قبل اور بعد کے حالات کا اندازہ ضرور ہو گیا ہوگا، اب دونوں کا موازنہ ہر معاملے میں یکے بعد دیگرے پیش کیا جارہا ہے:

● زمانہ جاہلیت میں بت پرستی کی جاتی تھی، انہیں رب کی بارگاہ میں سفارشی ٹھہرایا جاتا تھا، ان سے مدد طلب کی

جاتی تھی۔اسلام نے انسانیت کو توحید کی طرف بلایا اور ایک خدا پر ایمان رکھنے،اسی کی عبادت کرنے،اسی سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا۔

● زمانہ جاہلیت میں نسب اور قبیلوں پر فخر کرنا عام تھا جس کی وجہ سے جنگ تک کی نوبت آجاتی۔اسلام نے ایسا کرنے والوں کو بتایا کہ قبیلوں سے تم بس پہچانے جاسکتے ہو، اللہ کے نزدیک عزت کا مدار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

● زمانہ جاہلیت میں لوگ کھانے پینے تک میں اچھے/ بُرے، حلال/ حرام کی تمیز نہیں کرتے تھے۔اسلام نے ہی حلال وحرام کا تصور دیا اور مفید ومضر کی تمیز واضح کی۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ یتیموں پر ظلم کرتے تھے اور باطل طریقے سے ان کا مال کھاتے تھے۔اسلام نے ان پر شفقت کرنے اور انہیں اپنا بھائی بنانے ترغیب دی۔

● زمانہ جاہلیت میں زنا عام تھا،لوگ لڑکیوں کو عیش کے سامان کے سوا اور کچھ نہ سمجھتے تھے۔اسلام نے ہی زنا کے وبال سے آگاہ کیا اور عورتوں کو ان صحیح مقام ومرتبہ عطا کیا۔

● زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی،محرم وغیر محرم کا بھی کوئی تصور نہ تھا۔اسلام نے ایک جائز تعداد بتا کر بصورت عدم استطاعت ایک پر اکتفا کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ کون تمہارا محرم ہے (جس سے تم نکاح نہیں کرسکتے) اور کون غیر محرم ہے (جس سے تم نکاح کر سکتے ہو)۔

● زمانہ جاہلیت میں جنگ کا کوئی ایسا اصول نہ تھا جس سے بے گناہوں کو امان ملے۔اسلام نے ہی جنگ کے ایسے اصول مرتب کیے جس میں بوڑھے، بچے،عورتیں یہاں تک کہ جانوروں اور فصلوں کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانعت تھی۔

● زمانہ جاہلیت میں ہر کوئی بس اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی خاطر سوچتا تھا،اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے قوانین نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے جان مال عزت وآبرو اور جملہ حقوق کو تحفظ بخشا۔

یہ موازنہ پڑھ کر اصل "روشن خیالی" کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔

(جاری۔۔۔)

اچھی باتیں

نرم دل لوگ بے وقوف نہیں ہوتے، وہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جارہا ہے پھر بھی وہ نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ایک خوبصورت دل ہوتا ہے۔

کبھی آپ کو لگتا ہوگا کہ جو خوشیاں لوگوں کو ملیں وہ آپ کو نہیں مل سکیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جو غم لوگوں کے ملے وہ آپ کو نہیں ملے۔ یاد رکھیں کہ ایسا موازنہ بے سکونی کا سبب بنتا ہے۔ دراصل شکر میں ہی برکت اور سکون ہے۔

اگر آپ اپنی بُرائیوں پر قابو پانا چاہتے ہیں تو سچ بولنا شروع کردیں۔

جو ہوا اچھا ہوا، جو ہو رہا ہے بہتر ہے،اور جو ہوگا ان شاء اللہ بہترین ہوگا۔

رئیس المتکلمین علامہ نقی علی خاں - حیات وخدمات

از: عظیم رضا مرکزی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

تیرہویں صدی ہجری میں مسلمانوں کے عقائد و معمولات کو شرک وبدعت سے موسوم کیا جارہا تھا۔ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوششیں ہورہی تھیں، اور اِن کے خلاف نت نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں، مسلمانانِ ہند بڑی کشمکش کے شکار تھے۔ ایسے پُرفتن دور میں ایک ایسی عبقری شخصیت نے دنیائے آب وگل میں قدم رکھا جس نے ایک طرف توحید کا پرچم لہرایا تو دوسری طرف حب نبوی ﷺ کے چراغ روشن کیے اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ انجام دیا۔ آسمان علم وفضل کے اس درخشندہ ستارے کو عالم اسلام نے رئیس المتکلمین امام المتقین علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے جانا اور یاد کیا۔

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی شریف کے محلہ ذخیرہ میں واقع ایک علمی ودینی گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ ایک جید عالم دین اور عارف باللہ بزرگ تھے اس لئے آپ کی تعلیم وتربیت کی ابتدا انہی کی درسگاہ سے ہوئی اور علوم دینیہ کی تکمیل بھی والد بزرگوار کی ہی درسگاہ میں ہوئی۔

ارادت وخلافت:

آپ ۱۲۹۴ھ میں حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکات میں حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت کا شرف پایا۔ ارادت کے ساتھ ہی مرشد گرامی نے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت اور سند حدیث سے نوازا۔

مسند تدریس:

حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ اپنے وقت میں علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر اور بے مثال فقیہ تھے۔ اس لئے دور دراز سے طلبہ حصول علوم وفنون کے لئے آپ کی بارگاہ بافیض میں زانوئے تلمذ طے کرتے اور اپنی علمی تشنگی کو بجھاتے۔ خود آپ علیہ الرحمہ کی عادت کریمہ تھی کہ لوگوں کو اکتساب علوم پر اُبھارتے اور انہیں دینی تعلیم کا شوق دِلاتے۔ دینی علوم سے مسلمانوں کی لاپرواہی سے فکرمند ہوکر آپ نے "مدرسہ اہل سنت" قائم کیا جیسا کہ آپ کے معاصر نواب نیاز احمد خاں ہوش تحریر کرتے ہیں:

"مولوی صاحب سلمہ (علامہ نقی علی خاں) کا گل اسلام تازہ رنگ لایا، آپ اکثر اشخاص کو تعلیم علم کا شوق دلاتے ہیں، اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام علوم کلام کا دریا بہہ جاتا ہے، "العالم اذا تکلم فھو بحر یموج" کا مضمون انہی کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے"

آگے لکھتے ہیں:

"ان کے حضور اکثر منطقی اپنے قیاس وشعور کے موافق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعوئ توصیف کو ثابت کر دِکھاتے ہیں۔ آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں۔

کیا عجب مدرسۂ علم میں اس عالم کے
شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر

فتوىٰ نویسی:

آپ کے والد ماجد امام العلماء علامہ رضا علی خاں نے ۱۲۴۶ھ میں بریلی شریف میں دارالافتاء کی بنیاد رکھی اور آپ کو خصوصی تعلیم دینے کے بعد مسند افتاء کا جانشین کیا۔ اس کے

بعد سے ۱۲۹۷ھ تک آپ علیہ الرحمہ فتویٰ نویسی کا گرانقدر فریضہ انجام دیتے رہے۔ ملک وبیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات نہایت ہی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کرتے۔ آپ کی فقاہت کو آپ کے معاصر علماء اس حد تک تسلیم کرتے تھے کہ اپنے فتووں پر آپ کی تصدیق کو لازمی وضروری سمجھتے تھے۔ اس میں احتیاط وانکساری کا یہ عالم تھا کہ مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب ممدوح (علامہ نقی علی خاں) کو کسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی؟ نہ آپ کی یہ عادت۔ مسائل جو مہر کے واسطے آتے، اگر صحیح ہوتے ہیں تو مہر ثبت فرماتے ہیں اور جو خلافِ کتاب ہوتے ہیں، جواب علیحدہ لکھ دیتے ہیں، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے۔"

تحریک آزادیٔ ہند:

آپ علیہ الرحمہ کو ملک عزیز ہندوستان میں انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی۔ انگریزوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں تاحیات کوشاں رہے اور انگریزی ظلم واستبداد سے وطن عزیز کو آزاد کرانے میں زبانی، قلمی وجسمانی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس بابت چندہ شاہ حسینی لکھتے ہیں:

"مولانا رضا علی خاں انگریزوں کے خلاف لسانی وقلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے، انگریز مولانا کی علمی وجاہت و دبدبہ سے گھبراتا تھا، آپ کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علماء میں بہت اونچا مقام تھا، انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں"

ملک ہندوستان سے انگریزوں کو باہر نکالنے کے لئے علمائے ہند نے ایک جہاد کمیٹی تشکیل دی تھی۔ مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے اور اپنی تقاریر سے مسلمانوں کے اندر جہاد کا جوش وولولہ پیدا کیا۔ بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریز کو مسلمانوں نے شکست دی اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کیا۔

عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

آپ علیہ الرحمہ کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وافر حصہ میسر تھا جو کہ اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ آپ نے اپنے پُرفتن دور میں لوگوں کے دلوں میں عشق نبوی کے چراغ روشن کیے۔ سفر وحضر، خلوت وجلوت ہر جگہ آپ کے اقوال افعال سے عشق رسول نمایاں ہوتا تھا اور دوسروں کو بھی محبت واتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب وتلقین کرتے کیونکہ عشق رسول ہی محبت الٰہی کا ذریعہ ہے، اس کے بغیر نہ حصول عظمت ونعمت اور نہ عبادات وطاعات میں حلاوت۔ آپ کے سچے عاشق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار جب آپ بیمار ہوئے اور بیماری طول پکڑ گئی جس کے سبب کافی نقاہت ہوگئی تو رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فدائی کے جذبہ محبت کی لاج رکھی اور عالم خواب ہی میں اپنے عاشق کو دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ بھی ہوا اور جلد ہی صحت یاب ہوگئے۔

حج وزیارت:

آپ کے جانشین اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ آپ کے حج کا واقعہ یوں ذکر فرماتے ہیں:

۱۲۹۵ھ کو باوجود شدتِ علالت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص طور پر بلانے سے کہ "من رأنی فی المنام فقد رأنی" عزم زیارت وحج مصمم فرمایا۔ یہ غلام اور چند اصحاب وخدام ہمراہ رکاب تھے۔ ہر چند احباب نے عرض کی کہ: یہ حالت ہے، آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے۔ ارشاد کیا: مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازے سے باہر رکھ لوں پھر چاہے روح اسی وقت پرواز کر جائے۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی بلکہ وہ

مرض ہی خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک آبخورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ "من رأنی فی المنام فقد رأنی الحق" حد منع پر نہ رہا۔

علم و فضل:

حضرت علامہ نقی علی خاں علم کا بحر ناپیدا کنار تھے اور آپ کی ذات ستودہ صفات مرجع علما و خلائق تھی۔ آپ کے تبحر علمی کا اعتراف آپ کے معاصرین نے بھی کیا ہے اور مختلف علوم وفنون میں آپ کی تصانیف اس پر شاہد عدل ہیں۔ بیک وقت آپ کو علم قرآن، علم تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی، اصول فقہ، عقائد و کلام، علم تکسیر جیسے دیگر بہت سے علوم وفنون میں دسترس حاصل تھی۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ کے علم و فضل اور تبحر علمی کا اندازہ امام اہل سنت کی اس ہدایت سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد رشید علامہ احمد اشرف کچھوچھوی کو کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں:

"ردّ وہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طبیب حاذق (علامہ نقی علی خاں) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں۔"

تصنیفات وتالیفات:

آپ علیہ الرحمہ کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس وتدریس، عبادات وریاضات دینی وملی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی حد درجہ شغف رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف علوم وفنون پر کتابیں تصنیف فرمائیں بالخصوص سیرت نبوی، تعلیم و تعلم، اصلاح معاشرہ کے عناوین پر گرانقدر تصنیفات قلمبند فرمائیں۔ آپ کی تصنیفات آپ کے تبحر علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اندازِ بیاں بہت ناصحانہ اور اسلوب تحریر نہایت ہی دلچسپ ہے بلکہ آپ کی تصانیف نے اُردو زبان کو اپنے پُرسوز لب ولہجہ سے مالا مال کیا۔ مؤرخین نے آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف کی تعداد ۴۰ لکھیں ہیں۔ مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی یادگار ہیں:

(۱) الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح۔ (۲) وسیلۃ النجات۔ (۳) سرور القلوب فی ذکر المحبوب۔ (۴) جواھر البیان فی اسرار الارکان۔ (۵) اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد۔ (۶) ھدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ۔ (۷) اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام۔ (۸) فضل العلم والعلماء۔ (۹) ازالۃ الاوھام۔ (۱۰) تزکیۃ الایقان ردّ تقویۃ الایمان۔ (۱۱) الکواکب الزھراء فی فضائل العلم وآداب العلماء۔ (۱۲) الروایۃ الرویۃ فی الاخلاق النبویۃ۔ (۱۳) النقادۃ النقویۃ فی الخصائص النقویۃ۔ (۱۴) احسن الوعاء لآداب الدعاء۔ (۱۴) اقوی الذریعۃ الی تحقیق الطریقۃ والشریعۃ وغیرہ دیگر کتب نافعہ جو آنحضرت علیہ الرحمہ کے قلم سیال سے معرض وجود میں آئیں۔

تعارف تصانیف:

اس مختصر سی تحریر میں آپ کی جملہ تصانیف پر خامہ فرسائی اور اس بحر ناپیدا کنار کے جملہ آب دار موتیوں کا نکالنا نہایت دشوار امر ہے اس لئے میں دو چند کتابوں کا اجمالی تعارف اپنی بساط کے مطابق نذر قارئین کر رہا ہوں۔

(۱) اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت پر خوشی کا اظہار کرنا اور آپ کے میلاد کی محفلیں سجانا اہل سنت کا قدیم معمول رہا ہے جس کے استحباب واستحسان پر حضرت علامہ نقی علی

خاں علیہ الرحمہ کی یہ گرانقدر کاوش ہے جو ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں آپ نے آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اجماع امت وقیاس ائمہ واصطلاحات شرعیہ کے کامیاب شواہد اور دلائل واضحہ پیش کیے ہیں جنہیں پڑھ کر مخالف بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔اس تحقیقی کتاب میں جہاں آپ نے موقف اہل سنت پر دلائل پیش کیے وہیں مخالفین و معترضین کے شبہات ومغالطات کا تفصیلی جواب اور ردّ بلیغ بھی تحریر فرمایا ہے۔ارباب علم ودانش اس تحقیقی کتاب کو بنظر عمیق مطالعہ کریں اور دفاع اہل سنت سے شادکام ہوں۔

(۲) ہدایۃ البریۃ الی الشریعۃ الاحمدیۃ

امت مسلمہ میں فکری انحراف اور مذہبی ارتداد پیدا کرنے والے بہت سے گروہ ملیں گے جو شیطانی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ایک لمحہ بھی فروگذاشت نہیں کرتے مگر بفضلہ تعالیٰ دوسری جانب جماعت حق بھی موجود ہے جو اِن کے بھیانک چہرے سے نقاب کشائی کرتی ہے اور امت مسلمہ کی رہنمائی اور خیرخواہی کے تئیں تحریر وتقریر کے میدان میں تیز گام نظر آتی ہے۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ کی عبقری شخصیت بھی ہے اور اصلاح عقائد واعمال میں آپ کی یہ تصنیف انیق ہے جس میں آپ نے ان دس فِرق باطلہ کا ردفرمایا ہے جو فسق وفجور کا شکار ہوکر اُخروی خسارہ بٹورنے میں لگے ہیں یا اس سے آگے راہِ حق سے منحرف ہوکر ضلالت کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں۔یا پھر انجام بد کے طور پر اپنی گردن سے ایمان واسلام کے زریں قلادہ کو نکال کر پھینک دیا ہے۔

(۳) جواہر البیان فی اسرار الارکان

اس بیش قیمتی تصنیف میں آپ علیہ الرحمہ نے اسلام کی اساس وبنیاد کے چارستون، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فوائد کو بڑے شستہ اور آسان اسلوب میں بیان کیا ہے اور ارکان اسلام کے اسرار ورموز اور فوائد دنیوی واخروی کو اُجاگر فرمایا ہے جس سے قاری کا دل عبادات کی مشغولیت اور اعمال صالحہ میں انہماک کا طالب ہوتا نظر آتا ہے۔چونکہ عبادات حاصل زیست، سرمایۂ نجات، وسیلۂ جنت اور کیمیائے سعادت ہیں لہٰذا عرض گزار ہوں کہ قارئین حضرات براہ راست اس کتاب لطیف سے استفادہ کریں اور متاع آخرت کی ذخیرہ اندوزی سے سرفراز ہوں۔

غرض! آپ علیہ الرحمہ نے اپنی علمی وتحقیقی تصانیف کے ذریعہ علوم ومعارف کے جو دریا بہائے ہیں، اہل سنت آج بھی ان سے مستفید ومستنیر ہورہے ہیں اور اکابر اہل سنت کی زبانوں پر آپ کی تبحر علمی کے تذکرے ہیں کیونکہ آپ کی حیات طیبہ اتباع سنت اور حب رسول ﷺ کی کتاب ہے اور یہی وہ سرمایہ ہے جو انسان کو فرش سے اُٹھا کر عزت کی سربلندیاں عطا کرتا ہے۔

سفر آخرت:

علم وحکمت کا یہ نیر تاباں تاریک گوشوں کو منور کر کے ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو غروب ہوگیا۔امام اہل سنت نے آپ کی وفات کا تاریخی مادہ یوں استخراج فرمایا ہے:

ان موتۃ العالم موتۃ العالم
۱۲۹۷ھ

وفاۃ عالم الاسلام ثلمۃ فی جمع الانام
۱۲۹۷ھ

موت اس کی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

□□□

صلہ رحمی - پُرسکون معاشرے کی ضرورت

از: شکیل احمد رامپوری، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

اس خاکدان گیتی پر اللہ رب العزت کی بے شمار مخلوقات موجود ہیں مگر خالق کائنات نے اشرفیت کا تاج زرّیں انسان کے سر پر سجایا اور اسے فکر و تدبر، غور و خوض، صحیح و غلط کے امتیاز کی صلاحیت بخشی، صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی خاطر دین اسلام کے رہنما اصول عطا کیے تاکہ آخرت کا ساز و سامان مہیا کر سکے، انہی بامقصد اصولوں میں ایک فکر انگیز، محبت خیز اور اتفاق و اتحاد کا علمبردار اصول "صلہ رحمی" بھی ہے جو ہر زمانے کی اہم ضرورت رہی ہے۔

صلہ رحمی کا مفہوم:

اللہ جل وعلا و رسول ﷺ کے حق میں صلہ رحمی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا، یونہی تمام انبیائے کرام و رسولان عظام کے حق میں یہ ہے کہ تمام انبیائے و رسلان عظام علیہم السلام پر ایمان لانا اور بعض کو مان کر بعض سے منکر ہو کر ان میں تفریق نہ کرنا جیسا کہ پہلے کچھ لوگوں نے کیا۔ اور آپس میں صلہ رحمی کا مفہوم یہ ہے کہ باہمی میل جول، آنا جانا، لین دین، سلام و کلام قائم رکھنا۔

صلہ رحمی کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

متعدد آیتوں سے صلہ رحمی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **واتقوا اللہ الذی تسآءلون بہ والارحام۔** (ترجمہ): اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو۔ اور فرماتا ہے: **والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربھم ویخافون سوء الحساب۔** (ترجمہ): اور وہ کہ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی برائی سے اندیشہ رکھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور کل رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کو مان کر اور بعض سے منکر ہو کر ان میں تفریق نہیں کرتے۔ دوسرا معنیٰ اس آیت کریمہ کا یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں رسول کریم ﷺ کی قرابتیں اور ایمانی قرابتیں بھی داخل ہیں، سادات کرام کا احترام اور مسلمانوں کے ساتھ مودت و احسان، ان کی مدد اور ان کی طرف سے مدافعت، ان کے ساتھ شفقت، سلام و دعا اور مسلمان مریضوں کی عیادت اور اپنے دوستوں، خادموں، ہمسایوں، سفر کے ساتھیوں کے حقوق کی رعایت بھی اس میں داخل ہے۔ شریعت میں اس کا لحاظ رکھنے کی تاکیدیں آئی ہیں۔

احادیث بھی اس بارے میں بکثرت وارد ہیں، چنانچہ چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

ایک اعرابی اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آیا، اس نے آپ کی ناقہ مبارکہ کی مہار تھام لی، پھر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ **اخبرنی ما یقربنی من الجنۃ ویباعدنی من النار۔** یعنی مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور رکھے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان تعبد اللہ ولا تشرك بہ شیئا وتقیم الصلاۃ وتوتی الزکاۃ وتصل الرحم۔** یعنی وہ یہ ہے کہ تو ایک اللہ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور یہ کہ تو نماز کی پابندی کرے اور زکوۃ ادا کرے اور رشتہ کو جوڑے رہے، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، میل ملاپ قائم رکھے۔

دوسری حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
صل من قطعك واعف عمن ظلمك واعط من حرمك۔ یعنی جو تجھ سے رشتہ ختم کرے، اس سے تو ملاپ کر اور جو تجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر اور جو تجھے محروم رکھے، اس کو دے۔

مذکورہ قرآنی آیات واحادیث طیبات میں صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے جن سے صلہ رحمی کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معاشرے کو پُرسکون بنانے کے لئے صلہ رحمی کی بھی ضرورت ہے۔ لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ جب وہ اہل قرابت کے نزدیک رہتا ہو، پردیس میں نہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ ہدیہ وزیارت کے ساتھ ان سے میل ملاپ قائم رکھے اور صلہ رحمی کرے۔ اگر صلہ بالمال پر قادر نہیں تو کم از کم صلہ بالزیارت کرے، ان کے کاموں میں ہاتھ پیروں سے اعانت کر کے صلہ کرے جبکہ انہیں اعانت کی ضرورت ہو اور اگر وطن سے دور ہو تو خط و کتابت وغیرہ کے ساتھ تعلق بنائے رکھے اور اگر چل کر جا سکتا ہے تو دوسری بستی میں جا کے ملاقات کرے کہ ملاقات، خط و کتابت کرنے کے بہ نسبت بہر حال افضل ہے۔

صلہ رحمی کے تین اہم فوائد:

قیامت کے دن عرش کے سائے تلے تین نفر کو جگہ ملے گی، ان میں ایک واصل رحم ہے۔ دو دنیا میں اور ایک برزخ میں جیسا کہ خود روایت میں آیا ہے کہ واصل رحم کے لئے اس کی عمر دراز کر دی جاتی ہے اور رزق میں کشائش ملتی ہے اور قبر میں کشادگی ملتی ہے۔ (ماخوذ از: ذکریٰ للذاکرین، ج ۱)

ترک صلہ رحمی پر وعیدات:

جس طریقہ واصل رحم کے لئے بشارتیں آئی ہیں اسی طریقہ سے قاطع رحم کے لئے وعیدات بھی آئی ہیں۔ چنانچہ قاطع رحم کی موجودگی میں پوری مجلس نزول رحمت سے محروم رہتی ہے جیسا کہ امام الہدیٰ فخر احناف فقیہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے شیخ حاکم ابوالحسن سروری کی تحدیث وسند نقل کر کے بطریق سلمان ابن یزید حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، فرمایا: ہم لوگ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کی شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے تو حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہاں ہماری مجلس میں وہ شخص نہ بیٹھے جو قاطع رحم ہو، اسے ہمارے پاس سے اُٹھ کے چلا جانا چاہئے۔ یہ سن کر کوئی نہیں اٹھا، صرف ایک آدمی جو حلقہ کے پاس بالکل کنارے پر بیٹھا تھا، اُٹھا اور چلا گیا، اسے زیادہ دیر نہیں لگی کہ جلدی واپس آ گیا تو اُس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: تیرے علاوہ حلقہ سے اور کوئی نہیں اُٹھا، تجھے کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے ابھی جو ارشاد فرمایا، وہ سن کر میں اپنی خالہ کے پاس گیا تھا، وہ مجھ سے روٹھ گئی تھیں، ہم دونوں میں تعلق بند تھا۔ جب میں خالہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تجھے کیا چیز لے کر آئی ہے، یہ تو تیرا طریقہ تھا نہیں؟ میں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی خبر دی تو سن کر وہ بھی متاثر ہوئیں، انہوں نے مجھے معاف کر دیا اور میں نے انہیں معاف کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن کر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم نے اچھا کیا، اب بیٹھ جاؤ اور فرمایا: **الا ان الرحمة لا تنزل علی قوم فیهم قاطع رحم**۔ خبردار! رحمت الٰہی اس قوم پر نہیں اُترتی ہے جن میں کوئی قاطع رحم موجود ہو۔

(ماخوذ از: ذکریٰ للذاکرین، ج ۱، ص ۳۳۴)

حدیث میں ہے: **لا یدخل الجنة قاطع رحم**۔ قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یعنی اگر قطع رحم کو حلال سمجھتا ہے تو وہ جنت میں نہیں جائے گا اور اگر حرام سمجھ کر قطع رحم کرتا ہے تو سابقین کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔

نتیجہ:

دونوں حدیثوں میں اس بات پر دلیل ہے کہ قطع رحم عظیم گناہ ہے نہ کہ کوئی معمولی خطا۔ کیونکہ قطع رحم کی وجہ سے رحمت کا نزول رُکا رہتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ بے وجہ شرعی قطع رحم سے توبہ کرے، اللہ سے استغفار کرے اور قطع رحم سے باز آئے اور صلہ رحمی کرے کیونکہ صلہ رحمی بندہ کو رحمت سے قریب کرنے اور دوزخ سے دور رکھنے کا ذریعہ ہے۔ ایک مسلمان کو اچھی اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے صلہ رحمی ضروری ہے اور یہ پُرسکون معاشرے کی ضرورت ہے۔ آج معاشرے کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے، ایک خاندان دوسرے خاندان اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی سے بے وجہ شرعی ترک تعلقات کر دیتا ہے مثلاً اگر شادی میں زید کو شریک کروگے تو میں شریک نہیں ہوں گا وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا اے لوگو صلہ رحمی کرو اور قطع رحم سے بچو۔

ہاں اگر عذر شرعی کی بنیاد پر قطع رحم کا معاملہ کیا جا رہا ہے تو بلا شبہ اس کی اجازت شرع میں آئی ہے مثلاً دشمنان خدا ورسول سے ترک تعلق فرض ہے اور یہ ماموری فی الشرع ہے، معاشرے کو پُرسکون بنانے کے لئے ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے صلہ رحمی کو ضرور قائم رکھے اور آپسی میل ملاپ، اتفاق، اتحاد، مودت، احسان، سلام، کلام، لین دین قائم رکھے۔ تمام مومنین و مومنات اگر اس طریقہ سے زندگی گزاریں تو یقینا بلا شبہ یہ ایسا عمل ہے جو اُن کو جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے گا اور ہماری زندگی ایک امن وسکون والی زندگی ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام کو صلہ رحمی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

□□□

قبولیت کی گھڑی:

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”رات میں ایک گھڑی ہے کہ جسے کوئی بندہ مومن پا کر اللہ سے بھلائی کا سوال کرتا ہے تو اللہ اسے وہ ضرور دیتا ہے۔“

ایک روایت میں ہے کہ ”اس ساعت میں بندہ مومن دنیا و آخرت میں سے جس بھلائی کا بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہ اسے ضرور دیتا ہے اور یہ ساعت ہر رات میں ہوتی ہے۔“

رات میں قیام کرنے والوں کا مطلوب اس ساعت کا حصول ہوتا ہے۔ یہ ساعت پوری رات میں اس طرح پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے ماہِ رمضان میں پوشیدہ ہوتی ہے یا جس طرح جمعہ کے دن کی ساعت ہے کہ یہ بھی ان بخشش کے جھونکوں میں سے ہے۔

(احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۰۶۸)

حضور تاج الشریعہ اور دفاع اعلیٰ حضرت

از: محمد شاعر رضا قادری رضوی دارجلنگوی، جامعۃ الرضا بریلی شریف

مرکز اہل سنت خانوادہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمات عالم اسلام میں روز روشن کی طرح عیاں ہیں اوران کے احسانات ناقابل فراموش ہیں، مرکز نے گزشتہ دوسوسالوں میں مذہب مہذب مذہب اہل سنت و الجماعت کا دفاع ہرزاویے سے جس احسن طریقے سے کیا کوئی اسکا ثانی وسہیم نہیں اور یہ بات علماء ومشائخ کرام سے مخفی بھی نہیں، اوراس بات سے بھی ذی علم حضرات نا آشنا نہیں کہ سرکار مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے علماء میں سب سے زیادہ اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کا دفاع کماحقہ کیا، اوردفاع میں کچھ کسر نہ اٹھا رکھی اس پر آپ کی تصنیفات وتحقیقات، تالیفات وملفوظات وتقریری بیانات بالخصوص آپ کا علمی افادہ مجموعہ فتاوی بنام المواھب الرضویہ فی الفتاوی الازھریہ المعروف بہ فتاوی تاج الشریعہ جوضخیم دس جلدوں پر مشتمل ہے شاہد عدل ہے، اور حضور تاج الشریعہ کے دفاعی کارناموں میں اہم سے اہم تر دفاع اعلیٰ حضرت ہے جوآپ کے علوم اعلیٰ حضرت کے وارث منفرد ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے اورسرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کی چشم ولایت نے اس عظیم الشان کارنامہ دفاع اعلیٰ حضرت بالخصوص العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جیسی انمول دولت کی حفاظت وصیانت کے لئے آپ کا انتخاب فرمالیا، اورآپ عروج کے بروج کو طے کرتے رہے معاندین ومخالفین ومرتدین کا حملہ چاہے فتاوی رضویہ پر ہو یا کنزالایمان پر یا حدائق بخشش پر بالجملہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیقات و تصنیفات و ملفوظات سے متعلق ان کے شکوک وشبہات کا ناقابل تردید حل اور اعتراضات کا شافی و وافی جواب بدرجہ اتم دیتے رہے ان میں سے کچھ قارئین حضرات کی بارگاہ میں قسط وار اس غرض سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں کہ ذی علم حضرات اس سے خوب خوب مستفید و مستفیض ہوں اورسائلین کے اعلیٰ حضرت سے متعلق اس قسم کے سوالات و شبہات کے ازالہ میں اورآپ کی تحقیقات وتصنیفات میں شگوفے نکالنے والوں کومنہ توڑ جواب دینے میں انہیں (ذی فہم برادران کو) آسانیاں میسر ہوں لہذا املاحظہ فرمائیں

(۱) حدائق بخشش میں اعلیٰ حضرت کے ایک شعر پر اعتراض

پاکستان سے 1411ھ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک نعتیہ شعر سے متعلق اعتراض کیا گیا جس کا جواب سرکار تاج الشریعہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے 24/ذی الحجہ 1411ھ کودیا، شعر یہ ہے:

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے
پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

اس شعر پر جناب سے عرض ہے کہ ہمارے نبی کے آنے سے پہلے نہ جانے کتنے تارے یا نبی دنیا میں آئے تقریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے لہذا آپ کی بارگاہ میں عرض ہے کہ کیا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کوکسی دریا یا تالاب پر لے جایا گیا تھا؟ کہ حضور کو پانی میں ڈوبے نہ ڈوبا سے تعبیر کیا... ہماری بستی میں کچھ کم علم ہیں جو یہ شعر پڑھا کرتے ہیں میں نے ان سے بار بار کہا کہ اسے نہ پڑھا کریں اس لئے کہ اس شعر میں "ڈوبنے" کالفظ ہے اس سے سرکار ابد قرار علیہ السلام کی شان میں توہین ہوتی ہے، ہاں اگر

اسے یوں پڑھیں

کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے

پر نہ چھپے نہ چھپا ہمارا نبی

حضور سے دریافت ہے کہ آپ اس کا حل فرمائیں کیا اس شعر کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سرکار تاج الشریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواباً ارشاد فرماتے ہیں:

سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شعر بالکل درست وخوب اور بے غبار ہے اس میں سرکار ابد قرار علیہ الصلاۃ والسلام کی تعریف وتوصیف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اور انبیاء کرام کی شریعت، ان کی قوم اور ان کے زمانے کے لئے تھی اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت تمام اگلی شریعتوں کی ناسخ اور قیامت تک جاری رہنے والی ہے اور آپ کی رسالت اگلے پچھلے ہر زمانے کے لئے عام ہے اور قیامت تک آپ رسول ہیں، اس میں توہین کا شائبہ بھی نہیں اور ڈوبنے کا محاورہ صرف دریا میں ڈوبنے کے لئے نہیں بولتے چاند سورج کے غروب کو بھی ڈوبنے سے تعبیر کرتے ہیں... اس میں توہین سمجھنا اور فساد برپا کرنا سخت بے عقلی ہے۔ واللہ الھادی وھو تعالیٰ اعلم

(۲) اعلیٰ حضرت کا حضور کی شان میں لفظ "نمکین" استعمال کرنے پر اعتراض

1402ھ میں آپ علیہ الرحمہ سے حدائق بخشش کی ایک نعت میں اعلیٰ حضرت کا لفظ "نمکین" استعمال کرنے پر سوال کیا گیا وہ سوال یہ ہے کہ:

حضور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے اپنی کتاب حدائق بخشش میں جو "سب سے اولیٰ واعلیٰ ہمارا نبی" طرحی مصرع ہے اس میں حضور شہنشاہ دو عالم سرکار محبوب پروردگار کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے ایک جگہ لفظ نمکین ارشاد فرمایا، تو ہمیں یقین کامل ہے کہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ بہت محتاط نظر تھے پھر بھی ایسا لفظ ارشاد فرمایا، بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ایسا لفظ جس کے معنی ٹھیک مگر بڑے بھونڈے کا سا مطلب سمجھا جاتا ہے، اسے کیوں ارشاد فرمایا؟ علاوہ ازیں قرآن مقدس نے پیارے محبوب علیہ الصلاۃ والثناء کو عند المخاطب، راعنا جبکہ بھونڈے معنی چرواہے کے تھے اور یہودیوں کی بدنیتی تھی تو راعنا کی جگہ انظرنا کہنے کو ارشاد فرمایا، لہٰذا اگر کوئی ایسی مثال ہو جس پر اعلیٰ حضرت کا کلام صحیح ثابت ہوجائے اور وہی مکمل لاجواب کن جواب ہوجائے تو براہ کرم تحریر فرمایا جائے یا کوئی سبیل بتائی جائے۔

اس پر سرکار تاج الشریعہ فاضت انوارھم القدسیہ نے شب 23/ صفر المظفر 1402ھ کو جواباً ارشاد فرمایا کہ

نمکین کا ایسا معنی جو بھونڈا ہو کس لغت میں ہے؟ حاشا نہ کسی لغت میں یہ معنی ملے نہ اس معنی میں لفظ نمکین مستعمل نہ یہ معنی اس کے محتمل، عرف شائع ہے کہ اس کو خوبی شمار کرتے ہیں اور عام طور سے کہتے ہیں کہ فلاں کے چہرہ میں نمک ہے اور حدیث میں خود حضور علیہ السلام سے وارد کہ اپنا وصف بیان فرمایا: "انا املح" میں ملاحت والا ہوں، اور ملاحت ونمکینی حسن ایک ہی بات ہے.. واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) عرف عام میں عقائد اہل سنت کو مسلک اعلیٰ حضرت کہتے ہیں

اعلیٰ حضرت ومسلک اعلیٰ حضرت کے خلاف بولنے والے ایک پیر سے متعلق سوال کے جواب میں سرکار تاج الشریعہ علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں

"مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے عرف عام میں عقائد اہل سنت وجماعت مراد ہوتے ہیں تعارف وتمیز کے لیے ان کو مسلک اعلیٰ حضرت کہتے ہیں ان عقائد حقہ کا مخالف سنی مسلمان ہی نہیں، پیر ہونا بڑی بات ہے"

(فتاویٰ تاج الشریعہ ج اول ص 295)

(۴) "قاب قوسین او ادنی" کے ترجمہ سے متعلق اعلی حضرت پر وہابیوں کا افتراء واعتراض

سرکار تاج الشریعہ قدس سرہ کی بارگاہ عالی میں ایک سائل نے سوال کیا کہ

"میں جدہ میں ملازمت کے سلسلے میں مقیم ہوں یہاں زیادہ تر لوگ وہابی ہیں اکثر سنی مسلمان اور امام اہل سنت اعلی حضرت قدس سرہ پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسلم و بخاری اور ترمذی کی احادیث کو چھوڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول دہرایا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا، ایک وہابی نے کہا کہ "**قاب قوسین او ادنی**" کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جبرئیل اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان دو قوس کا فاصلہ رہا جبکہ امام اہل سنت اعلی حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنے ترجمہ میں اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ بلکہ اس سے بھی کم لکھا میں نے کہا کہ صحیح یہی ہے، انہوں نے کہا اچھا تمہاری بات مان لیں گے مگر یہ بتاؤ کہ اللہ پاک تو غیر محدود ہے دو ہاتھ کا فاصلہ کیسے ہو گیا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کو محدود مان لیا؟ قرآن شریف دیکھا اور اس میں پڑھا کیا لکھا ہے؟ (اس میں ہے) کہ اس جلوے اور اس محبوب کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم، امام اہل سنت مجدد دین وملت حکیم الامت اعلی حضرت الشاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اتنا واضح ترجمہ کیا ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے لیکن وہ (وہابی) شخص نہیں مانتا محدود وغیر محدود ہی کرتا رہتا ہے"

اس کے جواب میں سرکار تاج الشریعہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ وہابیوں کے آیۃ کریمہ مذکورہ کے بے داغ وصاف ترجمہ مبارکہ پر بے جا اعتراض اور اعلی حضرت پر افترا و بہتان کو یوں دفع فرماتے ہیں کہ

" یہ مسئلہ سلف میں مختلف فیہ ہے اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شب معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا، از انجملہ حضرت انس بن مالک، حسن وعکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں شفا وتفسیر خازن میں ہے: واللفظ للخازن" **ذهب جماعة الى انه راٰه بعينه حقيقة قالوا رأى محمد ربه عزوجل" ملخصا**

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس باب میں روایات متعدد آئیں چنانچہ روایت عکرمہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی خلت سے اور موسی علیہ السلام کو اپنے کلام سے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اپنی رؤیت سے نوازا اور انہیں سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو کیا تمہیں تعجب ہے اس پر کہ خلت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کلام موسی علیہ السلام کے لئے اور رؤیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

امام نووی نے تبعا لصاحب التحریر اس حدیث کو اقوی الحجج کہا، نیز عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال ہوا کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا فرمایا ہاں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مراجعت اور مراسلت اس باب میں فرمائی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں خبر دی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا اور حضرت حسن بقسم بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا نیز حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رؤیت وکلام کو حضرت موسیٰ وحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم میں تقسیم فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور حضور علیہ السلام کو دو بار اپنا دیدار کرایا، نیز امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ سے جب یہ امر دریافت کیا گیا تو فرمایا حضور نے رب کو دیکھا دیکھا دیکھا یہاں تک کہ آپ کی سانس ٹوٹ گئی۔

رہا حضرت عائشہ کا انکار تو بر بنائے اجتہاد واستنباط ہے نہ بر بنائے روایت، اور یہ روایات حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سماع وتلقی پر محمول ہیں کہ رؤیت خداوندی کی حکایت ایسی بات نہیں کہ قیاس سے کہہ دی جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے یہ قول اپنی رائے وگمان سے کردیا ہوگا بلکہ لامحالہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے سنا ہوگا تو ان کا یہ قول حدیث مرفوع ومسند بہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم میں ہے اور حضرت عائشہ کے قول پر مقدم ہے لہذا اکثر علماء اہل سنت کے نزدیک راجح ومعتمد یہی ٹھہرا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنے رب کو بچشم سر لیلۃ الاسراء میں دیکھا، اسی خازن میں ہے:

"روی عکرمہ عن ابن عباس قال ان اللہ عزوجل اصطفی ابراھیم بالخلۃ واصطفی موسی بالکلام واصطفی محمدا بالرؤیۃ وقال کعب ان اللہ قسم رؤیتہ و کلامہ بین محمد و موسی فکلم موسی مرتین ورآہ محمد مرتین"

(تفسیر الخازن ج4، ص205)

اسی میں ہے

"الحجج فی المسئلۃ و ان کانت کثیرۃ و لکن لا تتمسك الا بالاقوی منها و هو حدیث ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلۃ لإبراهیم والکلام لموسی والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیهم اجمعین وعن عکرمۃ قال سئل ابن عباس هل رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه قال نعم و قد روی باسناد لا بأس به عن شعبة عن قتادة عن انس قال رأی محمد ربه عزوجل و کان الحسن یحلف لقد رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه عزوجل والأصل فی المسئلة حدیث ابن عباس حبر هذه الامة و عالمها والمرجوع الیه فی المعضلات و قد راجعه ابن عمر فی هذه المسئلة هل رأی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه عزوجل فاخبره انه رآه و لا یقدح فی هذا حدیث عائشة لان عائشة لم تخبر انها سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لم أر ربی و انما ذکرت ما ذکرت متأولة لقول اللہ تعالی "وما کان لبشر ان یکلمه اللہ إلا وحیا أو من وراء حجاب أو یرسل رسولا" و لقوله تعالی "لا تدرکه الأبصار" و اذا قد صحت الروایات عن ابن عباس انه تکلم فی هذه المسألة باثبات الرؤیة وجب المصیر إلی إثباتها لأنها لیست مما یدرك بالعقل و یؤخذ بالظن و انما یتلقی بالسمع و لا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انه تکلم فی هذه المسألة بالظن و الاجتهاد" ملخصا (تفسیر الخازن ج4 ص207)

نیز شفا میں ہے

" حکی النقاش عن أحمد بن حنبل انه قال انا اقول بحدیث ابن عباس بعینه رآہ رآہ حتی انقطع نفسه یعنی احمد"

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صفحہ 126)

اور آیت کا وہ ترجمہ جو سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے کیا ہے وہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے مطابق ہے اور جو فاصلہ آیت میں وارد ہوا وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے بلکہ حضور علیہ السلام کے نہایت قرب منزلت اور اللہ عزوجل کے بے غایت فضل و کرم پر محمول ہے، شفا شریف میں ہے:

"قال الرازی و قال ابن عباس ھو محمد دنافتدلی من ربه... الخ"

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ص130)

اسی میں ہے

"ان ما وقع من اضافة الدنو والقرب ھنا من اللہ او الی اللہ فلیس بدنو مکان و لا قرب مدی و انما دنو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من ربه و قربه منه ابانة عظیم منزلة و تشریف رتبة و إشراق انوار معرفته و مشاھدة اسرار غیبه و قدرته و من اللہ تعالیٰ له مبرة و تانیس و بسط و اکرام "ملخصا (الشفا بتعریف حقوق المصطفی ص130/131)

بالجملہ اہل سنت کا معتقد و معتمد یہی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کو شب معراج میں بچشم سر دیکھا اور نہایت قرب سے سرفراز ہوئے اور اس مسئلہ میں اب کسی سنی کا اختلاف نہیں تو اس کا مخالف فی زماننا وہابی، گمراہ، بے دین ہے، واللہ تعالیٰ اعلم"

(فتاوی تاج الشریعہ جلد اول ص /333/334/332)

□□□

عبادت بدنیہ پر دو چیزیں مقدم ہوں گی:

عباداتِ بدنیہ پر دو چیزوں کو مقدم کیا جائے گا:

(۱) علم

(۲) مسلمانوں کے ساتھ نرمی (اور ان کے مصالح میں غور وفکر) کرنا۔

کیونکہ ان میں سے ہر ایک بذاتِ خود عمل خیر اور ایسی عبادت ہے جسے تمام عبادات پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ ان کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا اور نفع پھیلتا ہے۔

(احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۰۴۰)

رسالہ "صفائح اللجین فی التصافح بکفی الیدین" ایک مطالعہ

از: محمد شکیل بریلوی، جامعۃ الرضا، بریلی شریف

تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں آسمان علم وتحقیق پر بہت ساری نمایاں شخصیات رونما ہوئیں جنہوں نے اپنے علمی وتحقیقی کارناموں سے امت مسلمہ کے لئے تاریکیوں میں شمع منور جلائی مگران نمایاں شخصیات میں جو شخصیت اپنے علمی وتحقیقی کارناموں کے سبب آفتاب نیم روز کے مثل چمکی وہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔آپ کے تحقیقی کارناموں کی شان یہ ہے کہ دانشوران اور ریسرچ اسکالرز آپ کی تحقیقات پڑھنے کے بعد اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے نظر آئے ،آپ کی تحقیقات سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کو ڈاکہ زنی سے بچانے کے لئے جہاں عقائد کے باب میں احقاق حق وابطال باطل کے لئے ہیں وہیں تحفظ شریعت کے حوالے سے اعمال سے متعلق عظیم تحقیقات ہیں جو عوام وخواص سبھی کے اصلاح اعمال میں سنگ میل نظر آتی ہیں عام ازیں ان اعمال کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات سے ہو۔

عقائد کے باب میں آپ کی مایہ ناز تحقیقات "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین ،سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح ، الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ،فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین "وغیرہ ہیں وہیں اعمال کے باب میں" حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین، النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید ،منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین، النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز وغیرہا قابل ذکر ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحفظ شریعت کے لئے ہر اس فتنے کی سرکوبی کی جس نے شریعت کو اپنی منشا کے مطابق ڈھالنے کی بیجا کوشش کر کے مسائل شرعیہ کی غلط تصویر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے پیش کی اور ان کو اپنے اسلاف صحابہ وتابعین کے زمانے سے رائج معمولات سے منحرف کرنے کی ناکام کوشش کی۔انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ فہم حدیث سے کوسوں دور غیر مقلدین کی طرف سے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا مطابق حدیث وجائز اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف حدیث و ناجائز بتانا ہے۔

زیر مطالعہ رسالہ مسمیٰ بہ اسم تاریخی "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین" میں امام احمد رضا نے اسی مسئلے کی تحقیق فرمائی ہے۔مذکورہ تحقیقی دستاویز ۱۳۰۶ھ میں اس وقت معرض تحریر میں آیا جب ایک روز بعد نماز امام اہل سنت سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے جواز وعدم جواز کے سلسلے میں سوال کیا گیا فوری طور پر سائل کو زبانی جواب عنایت فرمادیا پھر اس کے بعد تحریری وتحقیقی دستاویز کا وہ حسین مرقع منظر عام پر آیا جو اپنے مشمولات سے ہر صالح فکر قاری کے دل کی تسکین کا ضامن ،اور فتنہ پرور کے تابوت کی آخری کیل ہے۔یہ رسالہ فتاویٰ رضویہ پندرہویں جلد (مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی صالح نگر رام پور روڈ بریلی شریف) کے ص ۳۷۷ سے ص ۴۱۰ تک درج ہے علاوہ ازیں اسی مطبع سے شائع ہونے والے مجموعے رسائل رضویہ کی ۲۵ ویں جلد میں بھی شامل ہے نیز مستقل رسالے کی شکل میں بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

مذکورہ مسئلہ اگرچہ اعتقادات وعبادات سے تعلق نہیں رکھتا مگر مخالفین کی جانب سے سادہ لوح مسلمانوں کے

سامنے شریعت مطہرہ کی غلط تصویر پیش کرنے کی بیجا سعی کو ناکام کرنے کے لئے امام احمد رضا نے اس مسئلے پر قلم اٹھایا اور حق تحقیق ادا کر دیا۔

مذکورہ رسالے میں اپنے عنوان کے حوالے سے قاری کے لئے شافی وکافی جواب تو ملے گا ہی ساتھ ہی بہت سے ایسے افادات سے بھی قارئین روبرو ہوں گے جو بظاہر عنوان سے متعلق نہیں مگر فی نفسہ اہم اور وقیع ہیں۔ قارئین رسالے کے مطالعے میں مندرجہ ذیل افادات سے روبرو ہونگے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز فجر خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کا اہتمام فرماتے تھے، مومن کا خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے، خواب کی تائید پر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ابوحمزہ ضبعی کا وظیفہ مقرر کیا، صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ ابن عمرو کو سب سے زیادہ احادیث یاد تھیں، امام ابن حجر عسقلانی کے نزدیک امام اعظم کا علمی مقام کیا تھا، حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" کی سند سے متعلق بھی اس رسالے میں بیان ہے، ملاقات کے وقت خوش آمدید و مرحبا کہنا گناہ جھڑنے کا سبب ہے، ہر وہ نیا کام جو سنت ثابتہ کا خلاف و رافع ہو وہ ممنوع ہے، جو بات مسلمانوں میں متوارث ہے بے اصل نہیں ہو سکتی، لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک صریح نہی ثابت نہ ہو اس میں اختلاف کرنا درست نہیں۔ عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتی، ممنوع وہ امور ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے جن سے منع فرمایا نہ کہ جس کو سرکار نے کیا نہیں

آغاز تحریر امام اہل سنت نے اپنے ایک خواب سے فرمایا ہے (فرماتے ہیں کہ امام قاضی خاں علیہ الرحمہ نے خواب میں آکر اس مسئلہ کی تعلیم فرمائی) جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میری یہ تحقیق انیق محض کتابی نہیں بلکہ اس میں فضل الٰہی شامل اور اس کو تائید غیبی حاصل ہے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اپنے مدعا کے بے غبار اثبات کے لئے حزب مخالف کے استدلال کا نقض اور اپنے استدلال کی صحت ورجحان ہی رائج و درست طریقہ ہے امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی طریقہ کار کو اپنایا اور اور استدلال مخالف کے نقض کے لئے اولا اس کا انحصار امام قاضی خاں کی تعلیم "مستند ایشاں حدیث انس است و اورا مفہوم نیست" کے مطابق حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کیا اور احادیث مصافحہ جن میں لفظ ید بصیغہ مفرد واقع ہے کو تین قسموں میں تقسیم کر کے بیان کیا۔

قسم اول کے تحت ان احادیث کو بیان کیا جو مصافحہ کی فضیلت اور اس کی ترغیب میں واقع ہیں، اس میں حضرت حذیفہ ابن یمان، حضرت سلمان فارسی، حضرت انس ابن مالک، حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مروی احادیث نقل فرمائیں، حذیفہ ابن یمان کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ان المومن اذا لقی المومن فسلم علیہ واخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاھما کما تناثر ورق الشجر" جب مسلمان سے مسلمان ملکر سلام کرتا اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑ پڑتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔ ان احادیث پر تبصرہ فرماتے ہوئے امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اگرچہ صراحت کے ساتھ لفظ ید ہے تاہم یہ احادیث مخالف کے لئے حجت نہیں اس لئے کہ یہ احادیث مقام ترغیب میں ہیں اور ہر عاقل بالغ یہ شعور رکھتا ہے کہ مقام ترغیب وترہیب میں ادنیٰ کو ذکر کرتے ہیں جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے زائد مندوب یا محذور نہیں۔ مقام ترغیب وترہیب میں اقل کو بیان کیا جاتا ہے جس سے زائد پر کوئی نفی یا اثبات مفہوم نہیں ہوتا۔ اس حوالے سے بھی امام

اہل سنت نے متعدد احادیث مبارکہ تحریر فرمائی ہیں۔

قسم دوم کے تحت ان احادیث کا ذکر ہے جن میں جزئی واقعات کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا کسی صحابی نے مصافحہ کیسے فرمایا۔ ان میں حدیث زہراء اور براء ابن عازب کی روایت کو تحریر فرمایا ہے حدیث زہراء کے الفاظ یہ ہیں "کانت اذا دخلت علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قام الیھا فاخذ بیدھا فقبلھا و اجلسھا فی مجلسہ و کان اذا دخل علیھا قامت الیہ فاخذتہ بیدہ فقبلتہ و اجلستہ فی مجلسھا۔ براء ابن عازب کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام اہل سنت لکھتے ہیں: "اقول یہ بھی اصلا قابل استناد نہیں۔ قطع نظر اس سے یہ حدیث طبرانی پایہ اعتبار سے ساقط ہے اس کی سند میں ابی داؤد اعمیٰ رافضی سخت مجروح متروک ہے امام ابن معین نے اسے کاذب کہا ہے، اور حدیث زہراء میں ممکن ہے کہ ہاتھ پکڑنا بوسہ دینے کے لئے ہو۔ بہر حال ان میں وقائع جزئیہ کی حکایت ہے اور عقلا و نقلا مبرہن و ثابت کہ وہ حکم عام کو مفید نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱۵ ص ۳۸۵ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

قسم سوم میں وہ روایات ہیں جو کیفیت مصافحہ میں وارد ہیں اس میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں ایک حدیث عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس حدیث کو امام اہل سنت نے بسہ وجوہ مخالف کے لئے قابل احتجاج نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے اور دوسری وہ حدیث جس کی طرف اشارہ امام قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے اور منکرین کی سب سے قوی دلیل یہی حدیث ہے۔ "عن انس ابن مالك قال قال رجل یا رسول اللہ ﷺ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا قال افیلتزمہ و یقبلہ قال لا قال افیاخذ بیدہ و یصافحہ قال نعم۔ منکرین اس حدیث انس سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے عدم جواز پر مفہوم مخالف سے استدلال کریں گے اور وہ محققین کے یہاں حجت نہیں۔ حدیث انس پر کلام کرتے ہوئے امام اہل سنت نے فرمایا کہ حدیث پاک میں وارد مفرد کے صیغے سے تثنیہ کی نفی نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے ۱۲ مثالیں ذکر کی ہیں جہاں ید بصیغہ مفرد ہے مگر اس سے تثنیہ کی نفی نہیں ہوتی جیسے "قل ان الفضل بید اللہ" اس مثال میں ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی ہاتھ میں فضل ہو اور دوسرے ہاتھ میں نہ ہو اور سات ایسی مثالیں پیش کی ہیں جہاں لفظ ید مفرد بول کر دونوں ہاتھ مراد لئے گئے ہیں، جیسے "ان النبی داؤد علیہ السلام کان لا یاکل الا من عمل یدہ" بیشک حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے ہی کھاتے تھے اس روایت میں ید مفرد کا صیغہ ہے مگر اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں، اور بعد میں ایک ضابطہ بحوالہ " اشباہ مع حموی" ذکر کیا "اذا کان الشیئان لا یفترقان من خلق او غیرہ اجزا من ذکرھما ذکر احدھما کالعین۔ اس ضابطے کی رو سے بھی حدیث انس میں ید سے دونوں ہاتھ ہی مراد ہوں گے اور حدیث کی مذکور توجیہ سے یا تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا جواز ثابت ہوگا یا کم از کم مخالف کا مدعا ثابت نہیں ہوگا۔ نیز امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلات اس وقت ہیں جب کہ حدیث کو قابل احتجاج مان لیا جائے ورنہ یہ حدیث حفاظ حدیث کے نزدیک نہ صحیح نہ حسن بلکہ ضعیف و منکر ہے اس لئے کہ اس حدیث کا مدار حنظلہ ابن عبد اللہ سدوسی پر ہے اور اس کو محدثین نے ضعیف و منکر الحدیث کہا ہے، چنانچہ حضرت یحییٰ ابن سعید قطان نے کہا "ترکتہ عمدا کان قد اختلط"۔ اور رہا یہ کہ اس حدیث کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے تو اس سلسلے میں ائمہ

ناقدین نے امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر نقد و جرح کی ہے۔ اور حدیث کی تحسین و عدم تحسین کے حوالے سے فیصلہ کن تصریح امام احمد ابن حنبل کی ہے اور امام احمد ابن حنبل نے اسی حدیث حنظلہ کو منکر فرمایا ہے، لہٰذا امام ترمذی کی تحسین اس تضعیف کے مقابلے میں قابل قبول نہیں ۔خلاصہ یہ کہ حدیث انس سند کے اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں اور متن حدیث سے استدلال اس لئے نہیں ہوسکتا کہ ممانعت کفین سے مصافحہ کرنے کی ثابت نہیں ،لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ منکرین کے پاس کوئی ایسی حدیث نہیں جو ان کے مدعا کو ثابت کرے، اور بغیر اس کے ثبوت ممانعت محض جنون خام ہے۔

مخالفین کے استدلال پر کلام کرنے کے بعد امام اہل سنت نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے جواز پر عقلی و نقلی ۱۰ دلائل تحریر فرمائے جن میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ذکر کی ہے جس کو شیخین نے اپنی صحیحین میں تخریج کیا ہے حدیث کے الفاظ ہیں "علمنی رسول اللہ ﷺ و کفی بین کفیہ التشھد" حضور ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ لیکر مجھے التحیات تعلیم فرمائی امام بخاری نے اس حدیث کو مصافحہ کے لئے جو باب وضع کیا اس میں سب سے پہلے ذکر کیا اور اس کے ٹھیک بعد" باب الاخذ بالیدین" مقرر فرمایا اور اس میں اسی حدیث کو ذکر کیا جس سے ثابت ہوا کہ اگر اس حدیث ابن مسعود کو مصافحہ سے کوئی تعلق نہ ہوتا تو امام بخاری اس کو مصافحہ کے باب میں بیان نہ کرتے امام بخاری کی تحریر کے مطابق دونوں ہاتھ سے مصافحہ سرکار دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس کے علاوہ فقہا کی تصریحات بھی کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ سنت ہے بیان فرمائی ہیں علاوہ ازیں امام بخاری نے حضرت حماد بن زید اور حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو کہ اجلہ تبع تابعین سے ہیں کے عمل کو بھی اسی باب میں ذکر فرمایا فرماتے ہیں "صافح حماد ابن زید ابن المبارک بیدیہ" حماد ابن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا۔

استدلال رابع کے تحت امام اہل سنت نے ایک طویل گفتگو اس حوالے سے کی ہے کہ منکرین حضرات کی یہ عادت ہے کہ عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل بنالیتے ہیں یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا اور کہا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کے جواز پر کتب احادیث میں کوئی دلیل نہیں ہے اس پر امام اہل سنت نے ائمہ حدیث کی تصریحات کے ساتھ طویل کلام فرمایا ہے کہ عدم وجدان الگ چیز ہے اور عدم وجود الگ چیز ہے اور عدم وجدان عدم وجود پر دال نہیں اس لئے کہ کسی کا علم ذخیرہ احادیث کو محیط نہیں اور ائمہ و مشائخ کی یہ عادت کریمہ رہی ہے کہ جب ان کو کوئی حدیث تلاش و جستجو کے بعد بھی نہیں ملتی تب بھی یہی فرماتے کہ اس پر ہمیں اطلاع نہ مل سکی مگر یہ نہ فرماتے کہ یہ حدیث ہے ہی نہیں نیز استدلال خامس میں فرماتے ہیں کہ بالفرض مان بھی لیا جائے کہ اس سلسلے میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے اطلاع مل بھی گئی تب بھی یہ لازم نہیں آتا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے وہ فعل نہ کیا ہو اس لئے کہ عدم نقل سے عدم وجود لازم نہیں آتا لہذا حدیث نہ ملنے سے یہ کہہ دینا کہ سرکار نے یہ فعل نہیں کیا انصاف نہیں ہے اور استدلال سادس میں فرماتے ہیں مان بھی لیا جائے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے وہ فعل نہیں کیا تو اس عدم فعل سے ممانعت تو ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ اس فعل سے نہ روکیں اس لئے کہ ممنوع وہ فعل نہیں جو سرکار نے کیا نہیں بلکہ ممنوع وہ فعل ہے جس سے سرکار نے منع فرمایا ہو۔ اور یہ مصافحہ ایسا فعل ہے جو بلانکیر زمانہ قدیم سے رائج ہے اور

یہ حسن معاشرت سے ہے اور یہ بات مقرر اور ثابت ہے کہ جو فعل مسلمانوں کے درمیان رائج ہو اگر کسی سنت ثابتہ کی ضد اور سنت کے لئے مزیل و رافع ہو تب وہ بلاشبہ ممنوع قرار پائے گا ورنہ نہیں، نیز فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہا سال سے بلکہ زمانہ تبع تابعین سے رائج ہے اور تمام بلاد و امصار مسلمین میں رائج اور متوارث ہے اور جو کام مسلمانوں میں متوارث ہو وہ بے اصل نہیں ہو سکتا، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "انہ المتوارث ومثلہ لا یطلب فیہ سند بخصوصہ" اور دسویں اور آخری استدلال میں فرماتے ہیں سرکار نے فرمایا "خالقوا الناس باخلاقھم" لوگوں سے وہ برتاو کرو جس کے وہ عادی رہے ہوں لہذا ائمہ دین ارشاد فرماتے ہیں لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی ثابت نہ ہو ہرگز اس میں اختلاف نہ کیا جائے بلکہ انہی کے اخلاق و عادات کے ساتھ ان سے برتاؤ چاہئے شریعت مطہرہ مسلمانوں میں میل پسند فرماتی ہے، اس سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ جو زمانہ قدیم سے رائج ہے جب تک اس کی ممانعت کی کوئی تصریح نہ ہو اس سے روکنا عوام میں تفرقہ ڈالنا اور تدلیس و تلبیس ہے۔

خلاصہ یہ کہ عنوان سے متعلق شافی و کافی تحقیق امام اہل سنت نے اس رسالے میں فرمائی ہے اور عقلی نقلی دلائل سے مبرہن جواب امت مسلمہ کے صلاح و فلاح اور تحفظ شریعت کے لئے تحریر فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہم تمام اہل اسلام کو اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلائے اور فتنہ گروں کے فتنے سے محفوظ رکھے اور تمام اہل اسلام کو حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم۔

□□□

اپنے اور مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری:

ان کا حق یہ ہے کہ یہ دن کے وقت لوگوں کے حقوق میں مشغول ہوں اور صرف فرض نمازوں پر اکتفا کریں اور اوراد مذکورہ کو رات میں پورا کریں جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا کرتے تھے اور فرماتے: "مجھے نیند سے کیا واسطہ؟ اگر میں دن کے وقت سوؤں تو مسلمانوں کے حقوق ضائع کر دوں گا اور اگر رات کے وقت سوؤں تو اپنا حق ضائع کر دوں گا۔"

(احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۰۴۰)